فضیلت صیام وقیام رمضان

بزبانِ صاحب قرآن ﷺ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ، وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ، وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور جس نے رمضان (کی راتوں میں) قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے گئے اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں!''

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 25-10-03
... ماڈل ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اوّل

رمضان المبارک اور دورۂ ترجمۂ قرآن

چند ہی روز بعد رمضان المبارک کی بابرکت ساعتوں کا آغاز ہونے والا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس ماہِ مبارک کے آغاز سے قبل جو خطبہ ارشاد فرمایا' اس کا آغاز ان الفاظِ مبارکہ سے فرمایا: ((یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ' شَھْرٌ مُبَارَکٌ)) ''اے لوگو! تم پر ایک عظمت والا مہینہ سایہ فگن ہو چکا ہے' جو برکتوں والا مہینہ ہے!'' اللہ تعالیٰ نے اس ماہِ مبارک کو سال کے دوسرے مہینوں پر بہت بڑی فضیلت بخشی اور اسے نزولِ قرآن کے لئے منتخب فرمایا۔ مسلمانوں کو ماہِ رمضان کے لیل و نہار کے لئے دوگونہ پروگرام عطا کیا گیا ہے کہ وہ دن میں روزہ رکھیں اور رات کا ایک حصہ قیام اللیل (تراویح) میں قرآن حکیم کی تلاوت اور سماعت میں بسر کریں۔

آج سے بیس سال قبل ۱۴۰۴ھ کے رمضان المبارک میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے قرآن اکیڈمی لاہور میں نمازِ تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کا آغاز کیا جو دعوت رجوع الی القرآن کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہوا اور اسے قرآن فہمی کے ایک مؤثر ذریعے کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ دورۂ ترجمۂ قرآن کے اس سلسلہ کو طالبانِ قرآن کی جانب سے بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف پاکستان کے طول و عرض میں بلکہ دنیا کے کئی ممالک میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے حلقے قائم ہوگئے۔ اس سال بھی ان شاء اللہ العزیز لاہور' کراچی' ملتان' فیصل آباد' سرگودھا اور دیگر شہروں میں متعدد مقامات پر دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگرام ہوں گے۔ قرآن اکیڈمی لاہور کی جامع القرآن میں' جہاں سے بیس برس قبل اس روایت کا آغاز ہوا تھا' ڈائریکٹر اکیڈمی حافظ عاکف سعید صاحب دورۂ ترجمۂ قرآن کی سعادت حاصل کریں گے۔ (دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں کی مکمل تفصیل ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' کے شمارہ ۳۹ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

حکمت قرآن کا زیر نظر شمارہ بعض عوامل کی بنا پر تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ اس پر ادارہ اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ قارئین حضرات نوٹ فرمالیں کہ آئندہ شمارے کو نومبر دسمبر کی مشترکہ اشاعت کی حیثیت حاصل ہوگی اور اس کی ضخامت معمول سے زیادہ ہوگی۔

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ
خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرة: ۲۶۹)

ماهنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ مرحوم
مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے ایم فل پی ایچ ڈی
معاون: حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)
ادارۂ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۲۲ | شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ - اکتوبر ۲۰۰۳ء | شمارہ ۱۰

— یکے از مطبوعات —
مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور
۳۶ ۔کے ماڈل ٹاؤن ۔لاھور ۱۴ ۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱
کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شاہ بخیری، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۹۵۸۶

سالانہ زرِتعاون: 100روپے ، فی شمارہ: 10روپے
☆ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 700روپے ☆امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 900روپے

درس ۲۶

اُمّتِ مُسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت

اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید

(۷)

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝ وَمَا لَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۚ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ ھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖٓ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَمَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۝﴾ (آیات ۷ تا ۱۱)..... صدق اللّٰہ العظیم

یہ بات اس سے قبل کئی مرتبہ عرض کی جا چکی ہے کہ سورۃ الحدید کے پہلے حصے میں چھ آیات ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی بحث پر مشتمل ہے۔ اور یہ بحث قرآن مجید میں اس مقام پر جامعیت کبریٰ کی بھی حامل ہے اور اعلیٰ ترین علمی سطح پر جو مباحث اس سے متعلق ہیں ان سب کا احاطہ بھی کرتی ہے۔

دوسرا حصہ پانچ آیات (۷ تا ۱۱) پر مشتمل ہے' جس میں حد درجہ فصاحت و بلاغت اور ایک خطیبانہ انداز ہے۔ بندۂ مؤمن پر جو دین کے تقاضے ہیں یا بالفاظِ دیگر اللہ کا جو مطالبہ ہے اسے ایک آیت میں غایت درجہ جامعیت' ترتیب اور توازن کے ساتھ دو الفاظ کے حوالے سے مطالبات کو بیان کر دیا گیا۔ پھر دو دو آیات پر مشتمل دو حصے ہیں جن میں ان میں سے ایک ایک چیز پر ایک ایک آیت میں کچھ ملامت اور جھنجھوڑنے کا انداز ہے اور اس کے بعد ترغیب اور تشویق کا انداز ہے۔

آیت ۷ کے مباحث' ایک نظر میں

گزشتہ نشست میں ان پانچ آیات کا ترجمہ ہو چکا ہے اور پہلی آیت پر ہماری گفتگو بھی تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ پہلی آیت میں جو چند باتیں بیان ہو چکی ہیں انہیں صرف ذہن میں تازہ کر لیجئے۔

''اٰمِنُوْا'' کا حکم کسے دیا جا رہا ہے! ظاہر اُس میں غیر مسلم' کافر' یہودی' نصاریٰ سب شریک ہو سکتے ہیں' لیکن سیاق و سباق یہ معین کر رہا ہے کہ یہاں ان مسلمانوں سے خطاب کیا جا رہا ہے جن کی حرارتِ ایمانی میں کمی ہے' یعنی ضعیف الایمان مسلمان یا منافق۔ ان سے کہا جا رہا ہے: ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر ﴿اَنْفِقُوْا﴾ اور خرچ کر دو اور کھپا دو ـــــ آگے چل کر بات واضح ہو رہی ہے کہ ﴿وَاَنْفِقُوْا﴾ سے مراد ہے: اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اب دیکھئے کہ ''فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'' سے مراد کیا ہے! یہ پہلی چھ آیات میں معین ہو چکا ہے کہ اس سے مراد ہے اللہ کی حکومت اس کی زمین پر قائم کرنے کے لئے جان و مال کا کھپانا۔ اس سورۂ مبارکہ کی دوسری اور پانچویں آیات کے الفاظ ہیں: ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے'' چنانچہ اس کی حکومت کے خلاف روئے ارضی پر جو بغاوت برپا ہے اسے فرو کرتے ہوئے اس کی حکومت کو بالفعل قائم کرنے کے لئے جان و مال کھپانے کی دعوت دی گئی ہے۔ آگے چل کر یہ بات مزید واضح ہو گئی کہ صرف مال کا کھپانا نہیں' جان کا کھپانا بھی

مطلوب ہے' اس لئے کہ الفاظ آئے ہیں: ﴿ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ﴾ کہ جس جس چیز میں بھی اس نے تمہیں خلافت عطا کی ہے۔ انسان کے پاس سب سے پہلا اثاثہ اس کا اپنا جسم ہے' اس کی توانائیاں ہیں' اس کی صلاحیتیں ہیں' اس کی استعدادات ہیں' اس کے اعضاء و جوارح ہیں۔ پھر اضافی طور پر جو کچھ اللہ تعالیٰ دیتا ہے' جس میں مال و منال ہے' اولاد ہے۔ ان چیزوں کو انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ میری ہیں' لیکن درحقیقت وہ اس کی ملکیت نہیں' نہ وہ ان کا مالک ہے' بلکہ اللہ نے ان میں اسے خلافت عطا کی ہے۔ تو جن جن چیزوں میں بھی تمہیں اللہ تعالیٰ نے خلافت عطا کی ہے' چاہے وہ تمہارے جسم و جان اور جسمانی صلاحیتیں ہیں' تمہاری مہلت عمر ہے یا تمہارا مال و منال ہے' تمہاری اولاد ہے' ان سب کو کھپاؤ اور لگاؤ اور خرچ کر دو اللہ کی راہ میں اللہ کے دین کو برپا کرنے کے لئے' اس کی حکومت قائم کرنے کے لئے۔

میں یہ بھی واضح کر چکا ہوں کہ ''مِمَّا'' میں ''مِنْ'' اگرچہ تبعیضیہ ہے' لیکن یہ کس درجے میں مطلوب ہے! ایک کروڑ پتی چند ٹکے کسی کو دے کر یہ سمجھ لے کہ حاتم طائی کی قبر کو لات مار دی ہے تو یہ اس کا اپنا ایک زعم ہو سکتا ہے' جبکہ اللہ کو جو کچھ درکار ہے وہ تو یہ ہے کہ اپنے جسم و جان کے تعلق کو برقرار رکھنے اور دُنیوی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد جو بھی کچھ تمہارے پاس اس سے بڑھ کر ہے اور فاضل ہے' اسے اس کام میں کھپا دو! ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ ''(اے نبی!) یہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا کچھ خرچ کریں؟ کہہ دیجئے جو کچھ بھی تمہاری ضرورت سے زائد ہے''۔ تو گویا اصل شے جو ممنوع ہے وہ مال کا جمع کرنا ہے۔ جہاں تک خرچ کرنے کا معاملہ ہے اس میں کوئی حدود و قیود معین نہیں کی جا سکتیں۔ اس کا فیصلہ انسان کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں انسان کا جتنا جذبہ بڑھے گا اسی اعتبار سے وہ اپنے معیارِ زندگی کو کم کرتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کے اتباع میں اختیاری فقر کی راہ پر گامزن ہو کر فقر کے اس درجہ کو پہنچ سکتا ہے جو فقراءِ صحابہؓ کا تھا۔ یہ معاملہ تمام صحابہ کا نہیں تھا۔ صحابہؓ میں ایک جماعت' جنہیں ہم فقراءِ صحابہؓ کہتے ہیں' فقرِ

اختیاری پر عامل تھی' یا پھر اسے اُمت میں صوفیاءِ کرام نے عملاً اختیار کیا۔ لیکن یہ واضح رہے کہ یہ اختیاری فقر ہے' اس میں جبر نہیں ہوتا' یہ انسان کے اپنے جذبۂ انفاق کی بنیاد پر اس کا اپنا فیصلہ ہوتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ قانونی سطح پر 'اسلام' کا تقاضا یہ نہیں ہے۔ قانونی طور پر آپ زائد از ضرورت بھی رکھ سکتے ہیں' ایک حد سے زائد ہو جائے گا تو آپ سے جبراً زکوٰۃ لے لی جائے گی۔ ہنگامی حالات میں اگر کسی وقت محض زکوٰۃ سے معاشرے کے محتاج اور فقراء کی ضروریات کی کفالت نہ کی جا سکے تو مزید بھی جبراً لیا جا سکتا ہے' لیکن وہ محض ہنگامی صورت حال ہے' عام حالات میں نہیں۔ البتہ 'ایمان' کا تقاضا یہ ہے کہ زائد از ضرورت مال اپنے پاس رکھا نہ جائے' ﴿اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾ والا معاملہ نہ ہو' ورنہ تو سخت وعید ہے ان الفاظِ قرآنی میں:

﴿وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ (التوبۃ: ۳۴)

''اور جو لوگ سونے اور چاندی کو سینت سینت کر رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' انہیں بشارت دے دیجئے دردناک عذاب کی''۔

پھر میں نے وضاحت کی تھی کہ ﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ﴾ کے الفاظ میں ہماری حیثیت حد درجہ dilute کی گئی ہے کہ ایک تو ہم ''مُستخلِف'' نہیں ''مُستخلَف'' ہیں۔ یہ اسم المفعول کا صیغہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہم نے خود یہ خلافت حاصل نہیں کی' یہ بھی ہمیں اللہ نے دی ہے۔ اوّل تو یہ کہ یہ ملکیت یا مالکیت نہیں ہے' خلافت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ خلافت بھی ہم نے خود حاصل نہیں کی' یہ بھی عطا کردہ ہے۔ اور تیسرے یہ کہ ''جَعَلَكُمْ'' کی رو سے یہ بھی ''مجعولیت'' ہے۔ اس کے اندر مزید اضافہ کیا گیا ہے کہ اللہ نے تمہیں ''مُسْتَخْلَفِیْنَ'' (خلافت دیئے گئے) بنا دیا ہے۔ یہ ہے تمہاری اصل حیثیت۔ اپنی اصل حقیقت کو پہچانو!

آگے فرمایا: ﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ﴾ اب جب یہ دو تقاضے ''ایمان اور انفاق'' سامنے آ گئے' تو جو بھی تم میں سے ان دونوں تقاضوں کو پورا کر دیں ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ نوٹ کیجئے کہ یہاں اجر کے ساتھ ''کبیر''

کی صفت آئی ہے۔ آگے چل کر گیارہویں آیت کے آخر میں' جس پر دوسرے حصے کی آیات ختم ہو رہی ہیں' ''اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ اجر کی دو صفات ہیں' دو dimensions ہیں۔ یعنی ایک تو مقدار کے اعتبار سے یہ اجر بہت زیادہ ہو گا' دوسرے یہ کہ جب یہ اجر دیا جائے گا تو اس میں عزت افزائی کا پہلو بھی ہو گا۔ ورنہ عام طور پر تو یہ ہوتا ہے کہ ''اَلۡیَدُ الۡعُلۡیَا خَیۡرٌ مِنَ الۡیَدِ السُّفۡلٰی'' کے مصداق لینے والا محسوس کرتا ہے کہ میری حیثیت کچھ کم ہوئی ہے' گری ہے' لیکن نہیں! اللہ کی طرف سے جب اجر ملے گا تو اس میں اکرام اور اعزاز ہو گا۔ وہ اجر کبیر بھی ہو گا اور اجر کریم بھی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جن چیزوں میں مُستخلَف بنایا ہے اگر یہ سب کچھ بھی ہم اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں تب بھی اس زعم میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ ہم نے کوئی بڑا تیر مارا ہے اور ہم کسی بہت بڑی بلندی تک پہنچ گئے ہیں' بلکہ اس پر بھی اللہ کا احسان ماننا چاہئے کہ اس نے ہمیں اس کی توفیق دی۔ اگر اس کی راہ میں سب کچھ بھی دے دیا تو یہ تمہارا اپنا تو تھا ہی نہیں' دیا ہوا اسی کا تھا۔ بقول غالب ؎

جان دی' دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

اگر تم نے اسی کی دی ہوئی شے اس کو لوٹا دی اور اسی کا دیا ہوا مال اس کے قدموں میں ڈال دیا تو کیا کمال کیا؟ اس حوالے سے شیخ سعدیؒ کے دو اشعار بہت ہی خوبصورت ہیں ؎

شکرِ خدائے کن کہ موفّق شدی بخیر
ز انعام و فضل خود نہ معطل بداشتت

یعنی اللہ کا شکر ادا کرو کہ خیر کے لئے تمہیں اس کی جانب سے توفیق ملی ہے۔ اللہ نے تمہیں اپنے انعام اور فضل سے محروم نہیں کیا' معطل نہیں کیا۔

اس میں لفظ ''موفّق'' توفیق سے اسم المفعول ہے' یعنی کہ تم موفّق ہو' تمہیں توفیق بھی اسی کی دی ہوئی ہے۔

دوسرا شعر ہے: ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمیں کنی
منت شناس از و کہ بخدمت بداشتت

تم بادشاہ پر اپنا احسان نہ دھرو کہ تم اس کی خدمت کر رہے ہو' بلکہ بادشاہ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں اپنی خدمت کا موقع عطا کیا۔ ایسے ہی تم اللہ کے اوپر اپنا احسان نہ دھرو' بلکہ اس کا احسان مانو!

ایمان کی زوردار دعوت

آگے فرمایا: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے' تم ایمان پختہ کیوں نہیں رکھ رہے اللہ پر؟'' اب نوٹ کیجئے کہ یہاں ایمان کون سا درکار ہے۔ یہ بات میں پرکار کی مثال سے آپ کو سمجھاتا ہوں کہ جیسے ایک پرکار کے دونوں بازو باہم جڑے ہوئے ہوتے ہیں اسی طرح آیت ۷ میں ایمان اور انفاق کے الفاظ جڑ کر ایک جگہ آئے ہیں۔ آگے دو دو آیتوں میں انہیں کھولا گیا ہے' جیسے پرکار کے بازو کھل جاتے ہیں' چنانچہ دو آیتیں ایمان اور دو آیتیں انفاق پر آئی ہیں۔ یہی پرکار سورۃ التغابن میں مزید کھلتی ہے جو سلسلۂ مُسبحات کی آخری سورت ہے۔ وہاں یہی مضمون دس آیات میں آیا ہے۔ آیت نمبر ۸ سے وہاں یہی دعوت ایمان شروع ہوئی ہے بایں الفاظ: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝﴾ یہاں ایک آیت میں دعوتِ ایمان ہے جبکہ وہاں سورۃ التغابن میں یہ دعوت تین آیات میں ہے۔ اس کے بعد یہ سوال کہ کون سا ایمان درکار ہے' اس کی وضاحت وہاں پانچ آیتوں میں کی گئی ہے۔ پہلی بات یہ کہ اس میں تسلیم و رضا کی کیفیت ہو ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ (آیت ۱۱) یہاں ان آیات کا ترجمہ اور وضاحت کئے بغیر صرف حوالے دیئے جا رہے ہیں' اس لئے کہ ہمارے منتخب نصاب کے دروس میں سورۃ التغابن پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ تو پہلی بات یہ کہ تسلیم و رضا والا ایمان ہو۔ اس ایمان کا دوسرا پہلو ہے اطاعت۔ اس کے بارے میں فرمایا: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي

رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝﴾ (آیت ۱۲) اگر اطاعت کاملہ نہیں تو ایمان کہاں ہے! اللہ کو مانتے ہو اور اطاعت نہیں کرتے؟ رسول کو مانتے ہو اور اس کا حکم نہیں مانتے' اس کا اتباع نہیں کرتے؟ چہ معنی دارد؟ تیسری بات یہ کہ توکل صرف اسی پر ہو ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (آیت ۱۳) چوتھی بات یہ کہ دنیا میں جن سے بھی فطری' طبعی اور جبلی محبتیں ہیں' یوں محسوس کرو کہ ان محبتوں میں تمہارے لئے کمین مضمر ہے' یہ potential enemies ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ﴾ (آیت ۱۴) یہی محبتیں ہیں جو اڑنگا لگاتی ہیں اور ان کی وجہ سے انسان اوندھے مُنہ گرتا ہے۔ یہی محبتیں ہیں جو اگر حد سے تجاوز کر جائیں تو انسان حرام میں مُنہ مارتا ہے' اللہ کے حقوق کو بھول جاتا ہے۔ ساری توانائیاں آل اور اولاد کے لئے کھپا دیتا ہے اور اللہ کے لئے تو اس کے پاس باقی کچھ رہتا ہی نہیں' کیا خرچ کرے گا' کیا کھپائے گا؟ اپنے وقت' اپنی صلاحیتوں اور اپنی قوتِ کار کی ساری پونجی تو صرف دنیا بنانے کے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے بہتر سے بہتر سہولتیں حاصل کرنے کے لئے صرف ہو رہی ہے۔ اگلی آیت میں دوبارہ فرمایا: ﴿اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ﴾ (آیت ۱۵) ''تمہارے اموال واولاد تو (تمہارے حق میں) فتنہ ہیں''۔ پانچ آیتوں میں اس ایمان حقیقی کے ثمرات بیان کرنے کے بعد پھر ایک آیت میں ان کو دوبارہ سمویا گیا اور اس کے ساتھ ہی انفاق کا ذکر بھی آ گیا۔ یوں سمجھئے کہ وہ پرکار اب پوری طرح کھل رہی ہے۔ چنانچہ پرکار کا دوسرا سرا کیا ہے! فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝﴾ (آیت ۱۶'۱۷)

اسی طرح (سورۃ الحدید میں) ایمان اور انفاق پر مشتمل ساتویں آیت کی پرکار جو یہاں بند تھی' اگلی چار آیتوں میں ذرا کھل گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ

بِاللّٰہِ ۚ﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے' تم کیوں نہیں ایمان رکھتے اللہ پر؟ وہ ایمان جو حقیقی ایمان ہے' اس پر تمہارا دل کیوں نہیں ٹھکتا؟ یہ زجر یا ملامت کا انداز ہے۔ آپ دیکھئے تین باتیں دہرائی گئیں: ﴿وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ ﴾ اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہو گی کہ بنفس نفیس اللہ کے رسول تمہیں دعوت دے رہے ہیں اور تم اس سے اعراض کر رہے ہو؟ ایک طرف تو یہی سب سے بڑی خوش نصیبی ہے کہ اللہ کے رسول بذاتِ خود تمہیں دعوتِ ایمان دے رہے ہیں' لیکن اگر اس وقت بھی کوئی محروم رہ گیا تو بتائیے کہ اس سے بڑا بدنصیب کون ہو گا؟ ظاہر بات ہے کہ مدینہ کے اندر منافق بھی موجود تھے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے بھی نہ متاثر ہوئے' نہ فیض یاب ہوئے۔ جو شے بجلی اور حرارت کے لئے غیر مُوصل (bad conductor) ہو' آپ کتنے ہی جتن کر لیں اس میں سے نہ حرارت گزرے گی نہ برقی رو گزرے گی۔ تو یہ بدنصیبی کی انتہا ہے۔ یہ وہی انداز ہے جو بعض احادیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((..... وَاَنَا بَیْنَ اَظْهُرِکُمْ)) ''درانحالیکہ ابھی میں تمہارے مابین موجود ہوں (پھر بھی تمہارا یہ حال ہے!)'' دوسرے یہ کہ رسول ﷺ کس بات کی دعوت دے رہے ہیں! ﴿لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ ﴾ تمہارے اپنے ربّ پر ایمان کی دعوت دی جا رہی ہے' کسی غیر پر ایمان کی دعوت تو نہیں دی گئی۔ تمہیں تمہارے اپنے پالن ہار' پروردگار' تمہارے خالق' تمہارے رازق پر ایمان کی دعوت دی جا رہی ہے۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ ﴿وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾ ''اور وہ تم سے قول و قرار لے چکا ہے' اگر تم واقعتاً مؤمن ہو''۔

ان دونوں آیتوں کے بارے میں' جیسا کہ میں اس سے قبل بیان کر چکا ہوں' اگر ہم خطاب کے الفاظ پر نگاہ جمائیں گے تو اس خطاب میں مسلم و غیر مسلم دونوں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ اٰمِنُوْا ''ایمان لاؤ'' کے مخاطبین کمزور اہل ایمان بھی ہو سکتے ہیں اور کافر و مشرک بھی' جو ایمان سے بالکل محروم تھے۔ لیکن سیاق و سباق معین کر رہا ہے کہ یہاں گفتگو مسلمانوں سے ہے' غیر مسلموں سے نہیں ہے۔ اسی طرح اس آیت میں بھی لفظی طور پر ''میثاق'' کے

دو مفہوم مراد لئے جانے کا امکان موجود ہے۔ بالفرض اگر یہاں پر مخاطب کوئی غیر مسلم ہے' یا وہ شخص جو ابھی اپنے ایمان کا اعلان و اعتراف نہیں کر رہا' تو یہاں ﴿وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ﴾ سے ''میثاق الست'' مراد ہوگا' یعنی اس دنیا میں آنے سے پہلے وہ تم سے میثاق لے چکا' بایں الفاظ: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی﴾۔ اب یہاں ﴿اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝﴾ میں ایمان کا لفظ اپنے اصطلاحی مفہوم میں نہیں لیا جائے گا' بلکہ ایمان کا لفظی معنی یعنی تصدیق مراد لیا جائے گا کہ اگر تم تسلیم کرو! اپنی فطرت کی گہرائیوں میں جھانکو تو تمہیں آثار نظر آ جائیں گے۔ ایک مرتبہ اے کے بروہی صاحب نے ملاقات میں مجھے کسی فلسفی کا ایک قول سنایا تھا۔ وہ فلسفی گویا خالق کی طرف سے یہ تعبیر کر رہا ہے:

"You would not have searched for me unless you had possessed me in the very beginning".

یعنی اگر بالکل آغاز ہی میں تمہارا میرے ساتھ ایک تعلق قائم نہ ہوا ہوتا تو تم مجھے ہرگز تلاش نہ کرتے۔

انسان میں فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی ایک طلب ہے' اس کی تلاش ہے۔ جیسے ایک دعا ہے ؎

مجھ کو ہے تیری جستجو' مجھ کو تری تلاش ہے
خالق مرے کہاں ہے تو مجھ کو تری تلاش ہے!

ہمارے ہائی سکول کے زمانے میں روزانہ صبح یہ دعا پڑھی جاتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ انسانی اس کا ثبوت دیتی ہے۔ کیسے کیسے لوگ جنگلوں اور صحراؤں کے اندر خاک چھانتے پھرتے رہے اور پہاڑوں میں جا کر تپسیائیں کرتے رہے۔ کس لئے؟ معلوم ہوا کہ فطرت انسانی میں کوئی طلب ہے' کوئی خواہش ہے' کوئی urge ہے۔ آپ کو بھوک لگتی ہے تو آپ کھانے کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو بھی کوئی طلب تھی جو انہیں کشاں کشاں لئے پھرتی رہی اور یہ طلب درحقیقت اس بات کا مکمل ثبوت ہے جو متذکرہ بالا قول میں بیان ہوئی ہے۔ عہدِ اَلست کو قرآن مجید تو ایک عظیم الشان واقعہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا

بَلٰی ﴾لیکن جو بھی شخص اپنی فطرت کی گہرائیوں کے اندر جھانکے گا اسے اس عہدِ اَلست کے آثار نظر آئیں گے' چاہے وہ یاد نہ آئے۔ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنے ربّ سے وہ عہد کیا تھا۔ اب ظاہر بات ہے کہ ارواح میں فرق و تفاوت تو ہے۔ وہ روح جو اللہ نے انہیں عطا کی تھی اس کے اندر وہ یادداشت برقرار رہی ہوگی۔ لیکن بہرحال اس وعدے کی یاد اگرچہ برقرار نہ رہی ہو' لیکن اس کے آثار اور اس کے اثرات فطرت انسانی میں موجود ہیں۔ ﴿وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ﴾ کے الفاظ میں اگر لفظی طور پر یہ امکان ہے تو اس کی وضاحت بھی میں نے کر دی' لیکن یہاں حقیقتاً وہ مراد نہیں ہے۔ یہاں اصل میں خطاب ان مسلمانوں سے ہے جو ضعیف الایمان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے عرض کیا تھا کہ آج کے مسلمانوں کے لئے یہ سورتیں قرآن مجید کا سب سے زیادہ قیمتی حصہ ہیں۔ اس لئے کہ نزولِ قرآن کے وقت کا تو ضعیف ایمان بھی ہمارے آج کے ایمان کے مقابلے میں بہت بلند و بالا' بہت پختہ اور مستحکم تھا۔ آج ہمارا جو حال ہے اس کے پیش نظر ہمیں تو بہت زیادہ ضرورت ہے کہ ان آیات کو حرزِ جان بنالیں۔

﴿وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝﴾ ''وہ تم سے قول و قرار لے چکا اگر تم مؤمن ہو!'' یہاں پر اصطلاحی ترجمہ کیجئے کہ اگر تم مؤمن ہو' تم ایمان کے دعویدار ہو پھر تو تمہارا عہد و میثاق اور قول و قرار ہو چکا۔ یہاں سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۱۱ ذہن میں لائیے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ﴾ ''اللہ تو خرید چکا ہے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض''۔ اب یہ جان و مال ان کے ہیں کہاں؟ اب تو گویا ان کے پاس محض ایک امانت کے طور پر رکھے ہوئے ہیں کہ جیسے ہی مطالبہ ہو حاضر کر دیئے جائیں۔ یہ ہے درحقیقت وہ قول و قرار' کہ اگر تم مؤمن ہو پھر تو تم اپنی جان اور مال فروخت کر چکے' اب وہ تمہاری ملکیت ہے ہی نہیں۔ اوّلاً تو اصولی طور پر تم اس کے مالک نہیں' پھر یہ کہ اس قول و قرار سے اس کی مزید توثیق ہوگئی۔ اب یہ تمہارے پاس امانت ہے۔ بڑا پیارا شعر ہے ع

وبالِ دوش ہے سر جسمِ ناتواں پہ مگر
لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لئے

گویا Life is a liability۔ واقعہ یہ ہے کہ بسا اوقات انسان محسوس کرتا ہے کہ یہ زندگی ایک بوجھ ہے' لیکن بندۂ مؤمن یہ سمجھتا ہے کہ مجھے صرف اللہ اور اس کے دین کے لئے یہ بوجھ اٹھائے رکھنا ہے۔ اس زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے بھی جو حق اسے میں دے رہا ہوں وہ صرف حضور ﷺ کی اس ہدایت کی بنا پر ہے کہ: ((وَاِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا)) ''یقیناً تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے''۔ مؤمن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی زندگی کا جو اصل مقصد ہے اور جو اُس کی اصل منشا ہے جس کے لئے وہ اسے preserve کر رہا ہے' وہ وقت آئے کہ وہ یہ دے کر فارغ ہو جائے' جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہوا: ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ﴾ ''ان میں وہ بھی ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے (شہید ہو چکے) اور باقی جو ہیں وہ منتظر ہیں (کہ کب موقع آئے اور ہم اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں دے کر سبکدوش ہو جائیں)۔''

ایمانِ حقیقی کا منبع و سرچشمہ -- قرآنِ حکیم

اب اس کے بعد اگر دلوں کو ٹٹولیں اور محسوس ہو کہ واقعتاً وہ حقیقی ایمان تو موجود نہیں ہے' تو سوال ہے کہ کہاں جائیں؟ ؏ ''کس طرف جاؤں' کدھر دیکھوں' کسے آواز دوں؟'' وہ کون سا بازار ہے جہاں سے ایمان کی جنس گراں مایہ ملتی ہے؟ اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا: ﴿هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ﴾ ''وہی تو ہے (اللہ) جو نازل فرما رہا ہے اپنے بندے پر روشن آیات تاکہ تمہیں نکال لائے اندھیروں سے روشنی کی طرف''۔ یہاں دیکھئے' بجائے ''رسول'' کے ''عبد'' کا لفظ آیا ہے۔ یہ میں نے بارہا عرض کیا ہے' اس وقت صرف اشارہ کر رہا ہوں کہ جہاں بھی اللہ کا اپنے رسول کے لئے شفقت اور عنایت خصوصی کا انداز ہوتا ہے وہاں نسبتِ رسالت کی بجائے نسبتِ عبدیت کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ جیسے

سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں فرمایا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ اور سورۃ الکہف کا آغاز ہوا ان الفاظ مبارکہ سے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ۜ﴾ وہی انداز یہ ہے: ﴿ھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖٓ﴾ لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ ''عبد'' (بندہ) اور چیز ہے اور ''عبدہٗ'' (اُس کا بندہ) اور چیز ہے۔ بقول اقبال ؎

عبد دیگر عبدۂ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر!

کہنے کو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم اس کے بندے ہیں' نام بھی عبداللہ رکھ لیتے ہیں' لیکن عبدیت کا حق ادا کرنا آسان کام نہیں ہے۔ تو فرمایا: ﴿ھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖٓ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ﴾ وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے بندے (ﷺ) پر وہ آیات جو بیّن ہیں' روشن ہیں۔ بیّن اس شے کو کہتے ہیں جو از خود واضح اور از خود روشن ہو' اسے کسی اور وضاحت کی ضرورت نہ ہو' اسے کسی دلیل خارجی کی حاجت نہ ہو۔ جیسے ہم کہتے ہیں ع ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب!'' یعنی سورج طلوع ہو گیا تو اب سورج کے وجود کے ثبوت کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو خود اپنے وجود پر سب سے بڑی برہان اور دلیل قاطع ہے۔ قرآن مجید اپنی آیات کے لئے اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ (روشن اور بیّن آیات) کی ترکیب استعمال کرتا ہے۔ سورۃ التغابن میں تو قرآن حکیم کے لئے لفظ ہی ''نور'' آیا ہے: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا﴾ ''پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل فرمایا''۔ یہ از خود نور ہے اور درحقیقت اسی سے نورِ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ یہ نورِ وحی' نورِ فطرت کے ساتھ مل کر نورِ ایمان پیدا کرتا ہے۔ ہمارے اس منتخب نصاب کے حصہ دوم میں سورۃ النور کی آیات کے ضمن میں یہ بحث تفصیل سے آئی ہے کہ ﴿نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ﴾ میں ایک نورِ فطرت ہے اور ایک نورِ وحی' ان دونوں کے امتزاج سے نورِ ایمان وجود میں آتا ہے۔

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ قرآن مجید میں نور کا لفظ ہمیشہ واحد آتا ہے' جبکہ

''ظلمات'' ہمیشہ جمع کی صورت میں آتا ہے۔ چنانچہ سورۃ النور میں بھی الفاظ آئے ہیں: ﴿ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ ''اندھیرے ہیں تہہ بر تہہ''۔ اس لئے کہ نور ایک بسیط حقیقت ہے اور تاریکی (darkness) کے بے شمار shades ہیں' مثلاً کفر' شرک' الحاد' انسانی حاکمیت کا تصور' مادہ پرستی' شہوت پرستی' دولت پرستی' شہرت پرستی' قوم پرستی' خود پرستی' نفس پرستی اور اس طرح کی بے شمار پرستشیں۔ یہ سب ظلمات ہی کے مختلف سائے ہیں' یہ تمام اندھیرے ہیں اور ان تمام اندھیروں سے نکال کر نور ایمان میں لانے والی شے قرآن حکیم کی آیات بیّنات ہیں۔

یہاں آیات کے باہمی ربط' ان کی ترتیب اور سیاق و سباق کے حوالے سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ جو ایمان حقیقی مطلوب ہے اس کا واحد منبع اور سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔ ایمان کے دعوے داروں سے کہا جا رہا ہے کہ تمہارے دلوں میں حقیقی ایمان کیوں موجود نہیں ہے جب کہ یہ ایمان کا منبع و سرچشمہ موجود ہے؟ عین کنویں کے کنارے پر کھڑے ہوئے پیاسے کیوں ہو؟ اور اس کنویں کی نشان دہی ان الفاظ میں کر دی گئی: ﴿هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ایمان حقیقی کا منبع اور سرچشمہ قرآن مجید ہے۔

1991ء میں ''حقیقت ایمان'' کے موضوع پر محاضرات میں مَیں نے نظری اعتبار سے یہ بات مانی تھی اور آج بھی مانتا ہوں کہ ایک وہ ایمان ہے جس کے لئے آج کی اصطلاح blind faith ہے۔ یہ ایمان بھی اگر یقین کے درجے کو پہنچ جائے گا تو اس شخص متعلق کے لئے مفید ہوگا' مؤثر ہوگا۔ یہ blind faith انسان کو محض صحبت صالحہ سے بھی حاصل ہو جاتا ہے' جیسے آگ کے سامنے بیٹھیں گے تو آپ کو حرارت مل جائے گی' صاحب یقین کی صحبت ہوگی تو آپ کو یقین حاصل ہو جائے گا۔ اس میں آپ کے فہم اور شعور کا کوئی حصہ نہیں' یہ تو درحقیقت ایک طبعی عمل (physical phenomenon) ہے۔ اسی طرح ایک ایمان عمل سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ آپ دین کے جملہ احکام پر عمل شروع کر دیجئے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص نسلی مسلمان ہے' ابھی ایمانِ حقیقی اسے حاصل نہیں ہے'

لیکن جو بھی فرائض دینی ہیں ان کو بجالا رہا ہے تو اس سے بھی یقیناً ایک reflection ہو گی، اور قلب میں یقین کی سی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ تو عمل سے اور صحبتِ صاحبِ ایمان سے بھی ایمان پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ایمان کا ذکر جس سیاق وسباق میں ہو رہا ہے وہ درحقیقت حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے شرطِ اوّل ہے' یعنی انقلاب برپا کرنا اور اَفراد کو نہیں بلکہ نظام کو بدلنا ہے۔

اس کے لئے ایک اصول ذہین نشین کر لیجئے کہ انسانی زندگی کے اجتماعی نظام میں معاشرہ ایک شخص واحد کی طرح behave کرتا ہے۔ ایک فرد کے اعضاء و جوارح کو کنٹرول کرنے والی شے اس کا دماغ ہے۔ ہاتھ کسی شے کو پکڑ سکتا ہے' اس میں یہ طاقت ہے' لیکن کس شے کو پکڑے اور کس کو نہ پکڑے' اس کا فیصلہ ہاتھ خود نہیں کر سکتا' بلکہ ذہن کرتا ہے۔ اسی طرح پاؤں میں آپ کو لے کر چلنے کی صلاحیت ہے' مگر وہ کدھر کو جائے' کدھر کو نہ جائے' اس کا فیصلہ پاؤں خود نہیں کر سکتا' بلکہ ذہن کرتا ہے۔ اسی طرح ہر انسانی معاشرے میں ایک brain trust ہوتا ہے۔ یہ وہاں کی ذہین اقلیت (intellectual elite یا intelligentsia) ہے جو brain trust کی حیثیت رکھتی ہے اور اس معاشرے کا رُخ معین کرتی ہے۔ اگر یہ ''ذہین اقلیت'' دولتِ ایمان سے محروم رہتی ہے اور آپ نے کچھ افراد کو اِدھر اُدھر ایمان کی دولت دے بھی دی' کچھ اصلاح ہو بھی گئی تو بھی معاشرہ بحیثیت مجموعی اس رُخ پر تبدیلی اختیار نہیں کرے گا جو آپ چاہتے ہیں۔ چنانچہ معاشرے کی بحیثیت مجموعی اصلاح کے لئے وہ ایمان درکار ہے جو علیٰ وجہ البصیرت ہو۔ جیسے کہ سورۂ یوسف میں حضور ﷺ کو حکم دیا گیا: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ ''کہہ دو (اے نبی ﷺ!) یہ ہے میرا راستہ' میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں' میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی''۔ میں اپنے راستے کی طرف علیٰ وجہ البصیرت بلا رہا ہوں۔ میں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہیں مار رہا ہوں' اور نہ صرف میں بلکہ وہ بھی جو میری پیروی کر رہے ہیں علیٰ وجہ البصیرت میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ تو دراصل ایسے لوگ

ہوتے ہیں کہ جو انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ معاشرے کے brain trust کو transform کریں گے' اور جب اس کی قلب ماہیت ہو گی تو معاشرہ مجموعی طور پر تبدیلی قبول کرے گا' ورنہ نہیں کرے گا۔ اور اس شعوری ایمان کا منبع اور سرچشمہ صرف قرآن ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید ایک انسان کو ایک کل کی حیثیت سے' مجموعی حیثیت سے اپیل کرتا ہے۔ یہ انسان کے احساسات و جذبات کو بھی اپیل کرتا ہے اور اس کے تعقل و تفکر کو بھی۔ قرآن مجید بار بار تعقل و تفکر کی دعوت دیتا ہے: ﴿اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۞﴾ ''کیا تم غور نہیں کرتے؟ (تمہیں کیا ہو گیا ہے)'' ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞﴾ ''کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟'' قرآن مجید میں بڑے سے بڑے فلسفی کے لئے بھی ہدایت موجود ہے اور ایک عام انسان کے لئے' بھی اس میں ہدایت ہے۔ اس حوالے سے درحقیقت انقلاب کے لئے' حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لئے' معاشرے کو بدلنے کے لئے جو ایمان درکار ہے اُس کا واحد منبع اور سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔

اس سلسلۂ کلام میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بایں الفاظ: ﴿هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۞﴾ ''وہی ہے (اللہ تعالیٰ) جو اپنے بندے (محمد ﷺ) پر واضح آیات نازل فرماتا ہے' تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائے۔ اور یقیناً اللہ تمہارے حق میں رؤف بھی ہے' رحیم بھی ہے''۔ یہ دونوں صفات ر ء و ف اور رحیم اس سورۂ مبارکہ کی آیت ۲۷ میں ''رأفة'' اور ''رحمة'' کے الفاظ میں آئی ہیں۔ ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ﴾ ''اور جن لوگوں نے ان (عیسیٰ علیہ السلام) کی اتباع کی ان کے دلوں میں ہم نے نرم دلی اور رحم ڈال دیا''۔ یہاں پر ذرا اچھی طرح جان لیجئے کہ لفظ ''رءُ و ف'' قرآن مجید میں گیارہ مرتبہ آیا ہے اور ان میں سے نو مرتبہ لفظ ''رحیم'' ہی کے ساتھ جڑ کر آیا ہے۔ قرآن مجید میں کسی اور صفت کے ساتھ اس لفظ (رءُ و ف) کی combination نہیں ہے' البتہ بعض مقامات پر تنہا آیا ہے' جیسے ﴿رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾۔ یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ یہ دس مرتبہ تو

اللہ تعالیٰ کے لئے آیا ہے اور ایک مرتبہ سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۲۸ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے آیا ہے بایں الفاظ: ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''مؤمنوں پر نہایت مہربان اور رحم والا ہے''۔

''رأفت'' اور ''رحمت'' میں جو ایک نسبت اور رشتہ ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے جھجک محسوس کریں گے کہ اللہ تمہارا ہمدرد ہے' یہ لفظ اللہ کے شایانِ شان نہیں ہے' لیکن رأفت کی اصل حقیقت ہمدردی ہی ہے۔ مشہور شعر ہے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!

ایک سلیم الفطرت انسان کے دل میں کسی کو تکلیف اور مصیبت میں دیکھ کر جو احساس ہوتا ہے اور وہ اس کے درد کو اپنے اندر محسوس کرتا ہے' اسی کو ہم رأفت یا ہمدردی کہتے ہیں۔ درحقیقت جس شخص کے اندر رأفت کا وصف ہوگا وہی اس مصیبت زدہ شخص کے لئے بھلائی کی کوشش کرے گا' اس کے لئے کوئی relief فراہم کرنے اور اسے کسی طریقے سے مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش کرے گا۔ پہلے ایک احساس ہوگا تب اس کا نتیجہ برآمد ہوگا۔ تو ''رأفت'' اصل میں وہ عکس ہے کہ جو کسی کے دکھ اور درد کو دیکھ کر باطن میں پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ ''رحمت'' ہے۔ اس احساس کے نتیجے میں اب اس کے درد کو رفع کرنے کے لئے' اس کے مسئلہ اور مشکل کو حل کرنے کے لئے جو کوشش ہو گی وہ درحقیقت رحمت کا مظہر ہے۔ گویا ''رأفت'' اور ''رحمت'' کا تعلق باہم sensory اور motor کا سا ہے' جو کہ فزیالوجی کی اصطلاح ہے۔ کسی بھی معاملے میں پہلے sensation ہوتی ہے۔ اگر کسی چیونٹی نے آپ کے ہاتھ پر کاٹا ہے تو پہلے sensation کے ذریعے دماغ کو اس کی اطلاع ملی اور وہاں سے motor کے ذریعے حکم آیا تو آپ نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا کہ یہاں تو کوئی چیز ہے جو تجھے تکلیف پہنچا رہی ہے۔ یہی معاملہ رأفت اور رحمت یا رؤف اور رحیم کے مابین ہے۔ چنانچہ قرآن

حکیم میں ہمیشہ لفظ رءوف لفظ رحیم سے پہلے آیا ہے۔ جیسے ہم نے ''العزیز'' اور ''الحکیم'' کی نسبت کو سمجھا تھا کہ ایک طرف اس کے پاس اختیار مطلق (authority) ہے' اس پر کوئی checks and balances نہیں ہیں' دوسری طرف اس کی حکمت کامل ہے' اور اس کا اختیارِ مطلق اس کی حکمتِ کاملہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ رؤف بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ اپنی زبان میں ہم الفاظ استعمال کر سکتے ہیں کہ نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

اب یہاں جو بات قابل غور ہے وہ یہ کہ اللہ کی رحمت کا مظہر اعظم اور مظہر اتم یہ قرآن ہے۔ سورۃ الرحمٰن کی پہلی چار آیات میں دراصل اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴾ ''نہایت رحم والا ہے جس نے قرآن سکھایا''۔ اب دیکھئے ان میں کیا نسبت ہے! یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانیت کا مظہر ہے کہ اس نے قرآن سکھایا۔ ''رَحْمٰن'' ''فَعْلَان'' کے وزن پر اسم مبالغہ ہے کہ جس میں کوئی بھی کیفیت پورے جوش و خروش کے ساتھ ہوتی ہے' ایک طوفانی کیفیت ہوتی ہے۔ تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طوفانی اور ہیجانی کیفیت کا مظہر اتم یہ قرآن ہے۔ اس لئے کہ یہ ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ اسی سے تمہاری عاقبت یعنی آخرت کی زندگی سنورے گی جو کہ اصل اور ابدی زندگی ہے۔ یہی نور ہے' یہی راستہ دکھانے والا ہے۔ جیسے کہ حضور کریم ﷺ سے ایک بہت ہی پیاری اور جامع دعا مروی ہے جس میں ہم کہتے ہیں..... وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً کہ اے ہمارے پروردگار! اس قرآن مجید کو ہمارا امام بنا دے' اسے ہمارے لئے نور' ہدایت اور رحمت بنا دے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی زوردار دعوت

آگے فرمایا: ﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں'' ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''حالانکہ (تم خوب جانتے ہو کہ) آسمانوں اور زمین کی کُل میراث بالآخر اللہ کے لئے رہ

جائے گی''۔ اگرچہ اس آیت پر اصل گفتگو تو اگلی نشست میں ہوگی' لیکن نوٹ کر لیجئے کہ ایک تو ہم پہلے سمجھ چکے ہیں کہ سورۃ الحدید کی آیت ۷ میں جو انفاق کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ''انفاق فی سبیل اللہ'' ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس سے مراد ''انفاقِ مال'' بھی ہے اور ''بذلِ نفس'' بھی ہے۔ اب یہاں لفظ ''قتال'' کے حوالے سے اس کی تشریح آ رہی ہے۔ ایک حدیث نبویؐ کے حوالے سے لفظ ''میراث'' کو سمجھئے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''ابن آدم کہتا ہے کہ میرا مال' میرا مال! لیکن اے ابن آدم! تمہارے مال میں سے تمہارا اس کے سوا اور کیا ہے کہ جو تم نے کھا لیا اور ختم کر دیا' یا پہنا اور پرانا کر دیا' یا پھر جو تم نے (اپنی زندگی میں) صدقہ کر دیا اور آگے بھیج دیا''۔ (مسلم' ترمذی' نسائی) مسلم کی ایک دوسری روایت میں الفاظ آئے ہیں کہ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اسے لوگوں کے لئے چھوڑ کر جانے والا ہے۔ یعنی باقی جو مال ہے وہ تمہارا نہیں' تمہارے وارثوں کا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے سوال کیا: ((اَیُّکُمْ مَالُ وَارِثِہٖ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ مَالِہٖ؟)) ''آپ لوگوں میں سے کون ہوگا جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ عزیز ہو؟'' صحابہ کرامؓ نے بالکل سادگی کے ساتھ حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جسے خود اپنا مال (وارث کے مال سے) محبوب تر نہ ہو۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ((فَاِنَّ مَالَہٗ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِہٖ مَا اَخَّرَ)) ''اس کا مال تو وہ ہے جو اُس نے آگے بھیج دیا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو اُس نے پیچھے چھوڑا''۔ (صحیح بخاری) ـــــ یعنی تمہارا مال تو وہی ہے جو تم اللہ کی راہ میں اپنی زندگی کے اندر خرچ کرتے ہو' باقی تمہارے وارث کا مال ہے جو تم جمع کر رہے ہو۔ دیکھئے خرچ کرنا ایک ضرورت ہے' اپنے آپ کو maintain کرنا ہے' اپنے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنا ہے۔ سر چھپانے کے لئے کوئی ایک چھت بھی چاہئے' آپ کو کھانا بھی چاہئے۔ اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنا اپنی جگہ صحیح ہے۔ اور اگر آپ نے ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞﴾ کے مصداق اپنے

آپ کو اللہ کے لئے وقف کر دیا ہو تو درحقیقت یہ سب کچھ بھی فی سبیل اللہ شمار ہوگا۔ گویا جو کچھ آپ اپنی ضروریات پر صرف کر رہے ہیں وہ بھی اللہ کے لئے کر رہے ہیں۔ صرف یہ بات پیش نظر رہے کہ ضرورت سے زائد کو جمع نہ کریں۔ جمع صرف آسمان پر کریں، جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک وعظ کا مفہوم ہے کہ زمین پر جمع نہ کرو جہاں چوری کا بھی ڈر ہے، ڈاکے کا بھی اندیشہ ہے، کیڑا بھی خراب کرتا ہے، دیمک بھی لگ جاتی ہے، بلکہ آسمان پر جمع کرو، جہاں نہ چوری کا ڈر، نہ ڈاکے کا خوف، نہ کیڑا خراب کر سکے۔ اس لئے کہ میں تم سے صحیح کہتا ہوں کہ جہاں تمہارا مال ہوگا وہیں تمہارا دل بھی ہو گا—— مال یہاں جمع کیا ہوا ہوگا تو ظاہر ہے دل بھی یہیں پر لگا ہوگا۔ دنیا سے جانے کو دل نہیں چاہے گا اور فرشتے دھکے دے دے کر لے کر جائیں گے۔ آدمی آگے جانے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ بلکہ حدیث میں الفاظ آتے ہیں کہ جیسے کانٹے دار سیخ کے اوپر سے کباب اتارا جاتا ہے اسی طریقے سے ایسے لوگوں کی روحیں کھینچی جائیں گی۔ ان کے برعکس ایک وہ ہیں جو جانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ بقول اقبال ؎

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست!

اس لئے کہ وہ اپنا سب کچھ تو پہلے ہی آگے بھیج چکے ہیں۔ ان کے لئے تو موت گویا ایک خوشخبری ہے۔ انہوں نے تو زندگی بھر کی کمائی وہاں آسمانوں پر جمع کی ہوئی ہے۔ ان کے لئے تو موت ایسے ہوگی جیسے کہ ایک بند مشکیزے میں سے ایک بوند پانی کی ٹپک جائے۔ ان کے لئے یہاں سے نقل مکانی کرنے میں کوئی ناگواری نہیں ہوگی، کوئی سختی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ایسی موت عطا فرمائے! آمین!

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم

معراجِ انسانیت

تحریر: قاضی عبدالقادر

خطِ سبز و لبِ لعل و رخِ زیبا داری　　حسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ ید بیضا داری
شیوہ وشکل وشمائل حرکات وسکنات　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے جو نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے۔ رہتی دنیا تک آپؐ کی تعلیمات بنی نوعِ انسان کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ آپ ﷺ کا کام صرف اللہ تعالیٰ کا کلام بندوں تک پہنچا دینا ہی نہیں تھا۔ اگر یہ بات ہی مقصود ہوتی تو کیا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کوئی مشکل کام تھا کہ وہ اپنے ہر بندہ پر قرآن پاک کا ایک ایک نسخہ نازل کر دیتا؟ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے تحت آپؐ نے اپنی تیئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں اس دین اور ہدایت کا عملی نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جس کی طرف آپؐ لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔

انسان کی زندگی کی اصل عکاسی اس کی پبلک زندگی نہیں بلکہ پرائیویٹ زندگی کرتی ہے۔ پبلک زندگی میں تو آدمی تصنع کے بہت سے لبادے اوڑھ کر آ سکتا ہے' مگر پرائیویٹ زندگی میں اس کی اصلیت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے لیڈر کی زندگی پر نظر ڈالئے' آپ اس کو دو خانوں میں تقسیم پائیں گے' ایک پبلک دوسرے پرائیویٹ۔ مگر رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا کمال یہی ہے کہ آپؐ کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی میں سرمو تفاوت نہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپؐ جو کچھ کہتے تھے وہ کر کے دکھاتے بھی تھے۔ آپؐ کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جو آپؐ کی تعلیمات سے ذرہ برابر بھی ہٹا ہوا ہو۔ نبی اور غیر نبی میں نمایاں فرق ہی یہ ہے کہ نبی جو کچھ کہتا ہے وہی کرتا بھی ہے۔ اس کی زندگی اس کی دعوت کا جیتا جاگتا نمونہ

ہوتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

''بے شک رسول اللہ کی ذات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے''۔

رسول اکرم ﷺ کی زندگی ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ آیئے ایک نظر ہم حضور ﷺ کی زندگی پر ڈالیں اور اُن اخلاق و عادات کو دیکھیں جن کی وجہ سے آپؐ کمالِ انسانیت کے درجہ پر پہنچے ہیں۔ ہم ان اخلاق و عادات کو اپنی زندگی میں اپنائیں' دنیا کے سامنے حق کے علمبردار بن کر کھڑے ہوں اور زبان سے جو کچھ کہیں' ہماری زندگی اس کا عملی نمونہ ہو۔ اگر آج ہم حضور ﷺ کے اُسوہ کو اپنی زندگی میں اپنالیں اور دین کے داعی بن کر اٹھ کھڑے ہوں تو ان شاء اللہ سسکتی ہوئی انسانیت کے لئے نجات دہندہ ثابت ہوں گے۔

اخلاقِ نبویؐ

نبی اکرم ﷺ کے حسن اخلاق کی گواہی خود اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں دیتے ہیں:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم:٤)

''(اے محمد ﷺ!) تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو''۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے تاکہ اخلاقی اچھائیوں کو تمام و کمال تک پہنچاؤں''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت کئی سال کی' نہ تو آپؐ نے کبھی مجھے مارا' اور نہ کبھی مجھے جھڑکا' اور نہ میرے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ آپؐ نے مجھے کسی کام کے لئے کہا ہو اور میں نے سستی کی ہو تو آپؐ نے مجھے اس پر عتاب کیا ہو۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کو دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپؐ کا اخلاق قرآن تھا۔ قرآن کی رضامندی کی باتوں سے آپؐ راضی رہتے اور قرآن کی ناراضگی کی

باتوں سے آپؐ ناراض ہوتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نہ بدخلق تھے اور نہ بدزبان تھے اور آپؐ فرمایا کرتے تھے: ''تم میں سے پسندیدہ وہی ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو بے حیائی کا کام کرتے اور نہ دوسروں کو برا بھلا کہتے' اور حضور ﷺ فرماتے تھے کہ: ''تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اخلاق کے اچھے ہیں''۔

بُردباری اور درگزر کرنا

دعوتِ دین کی راہ میں ہر طرح کی اذیتیں آپؐ کو پہنچائی گئیں۔ آپؐ پر اوجھڑی ڈالی گئی' آپؐ کو طرح طرح سے ستایا گیا' آپؐ لہولہان تک ہو گئے' مگر آپؐ نے مخالفین کو نہ تو کبھی بُرا بھلا کہا اور نہ ان کے حق میں بددعا کی۔ آپؐ نے ہمیشہ برائی کا بدلہ بھلائی کے ذریعے دیا۔ طائف کا مشہور واقعہ ہے کہ آپؐ وہاں کے باشندوں کو دین کی دعوت دینے کے لئے ایک بار تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے نہ صرف آپؐ کی دعوت کی طرف سے کان بند کر لئے بلکہ آپؐ کو پریشان کیا اور ستانے کے لئے غنڈوں کی ٹولی آپؐ کے پیچھے لگا دی جو آپؐ پر فقرے چست کرتے اور پتھر مارتے جاتے تھے' یہاں تک کہ آپؐ لہولہان ہو گئے اور خون بہہ بہہ کر آپؐ کے جوتوں میں جمنے لگا۔ ایسے وقت میں ایک فرشتہ حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپؐ اجازت مرحمت فرمائیں تو وہ طائف کے دونوں جانب کے پہاڑوں کو ایک دوسرے سے ملا کر اہل طائف کو پیس کر رکھ دے' تاکہ انہیں ان کے کئے کا بدلہ مل جائے۔ لیکن محسنِ انسانیت ﷺ نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ میں ان لوگوں سے مایوس نہیں ہوں' آج نہیں تو کل ان ہی لوگوں میں سے وہ لوگ اٹھیں گے جو دین کے علمبردار ہوں گے۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اپنے خون کے پیاسے مشرکینِ مکہ کو جس طرح معاف کیا اور امان دی' کیا دنیا کی تاریخ اس جیسی کوئی دوسری مثال پیش کر سکتی ہے؟

شفقت و رحمت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اسے دیر تک ادا کروں' اتنے میں مَیں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز میں اختصار کر دیتا ہوں۔ چونکہ میں جانتا ہوں کہ اس کی ماں پر بچہ کے رونے سے کس قدر سخت رنج واقع ہوتا ہے''۔

ایک دفعہ قبیلہ غامد کی ایک عورت آئی اور اظہار کیا کہ میں نے بدکاری کی ہے' آپ ﷺ نے فرمایا: ''واپس جاؤ''۔ دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ کیا آپؐ مجھ کو ماعز کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہیں؟ خدا کی قسم مجھ کو حمل رہ گیا ہے۔ پھر فرمایا: ''واپس جاؤ''۔ وہ چلی گئی۔ تیسرے دن پھر واپس آئی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''بچہ کے پیدا ہونے تک انتظار کرو''۔ جب بچہ پیدا ہوا تو بچے کو گود میں لئے ہوئے آئی (کہ اب زنا کی سزا دینے میں کیا تامل ہے؟) آپؐ نے فرمایا: ''دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو' جب دودھ چھوٹ جائے تب آنا''۔ جب رضاعت کا زمانہ گزر گیا تو پھر حاضر ہوئی۔ اب آپؐ نے مجبور ہو کر اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے اس پر پتھر برسانے شروع کئے۔ ایک صاحب کا پتھر اس کے چہرہ پر لگا اور خون کی چھینٹیں اڑ کر ان کے چہرے پر آئیں تو انہوں نے اس کو بُرا بھلا کہا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''زبان روکو! خدا کی قسم! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبراً محصول لینے والا بھی اگر یہ توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا''۔ (ابوداؤد)

شرم و حیا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کنواری لڑکی اپنے پردہ میں بھی اتنی شرمیلی اور حیا دار نہیں ہوتی جتنا کہ جناب رسول ﷺ باحیا اور شرمیلے تھے۔ ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ جب آپؐ کو کوئی چیز ناپسند ہوتی تو اس کا اثر چہرۂ مبارک پر نمایاں ہوتا۔

تواضع وانکسار

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور ﷺ (فتح مکہ کے دن) مکّہ میں داخل ہوئے تو تمام لوگ آپؐ کو دیکھنے کے لئے آئے۔ آپؐ نے اپنا سر خشوع کی وجہ سے کجاوہ پر رکھ لیا۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے سامنے آیا اور اس پر کپکپی چڑھ گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اپنے اوپر نرمی کر! (یعنی ڈر مت!) میں بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ زمین پر بیٹھتے اور زمین پر کھاتے، اور خود بکری کا دودھ نکالتے، غلاموں کی دعوت کو جَو کی روٹی پر قبول کر لیتے۔

ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپؐ کو خطاب کیا ''اے ہمارے آقا، اور ہمارے آقا کے فرزند، اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند''۔ آپؐ نے فرمایا: ''لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تمہیں گمراہ نہ دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمدؐ ہوں، خدا کا بندہ اور اس کا رسول۔ مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ دو''۔ (مسند احمد بن حنبل)

ایثار

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور اپنے افلاس و تنگ دستی کی شکایت کر کے عرض کی کہ اس مرتبہ غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے''۔ (ابوداؤد)

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی امر کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دُوں اور اہل صفہ کو اِس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لئے پھریں''۔ (مسند احمد)

ایک دفعہ ایک غفاری آ کر مہمان ہوا' رات کو کھانے کے لئے صرف بکری کا دودھ تھا' وہ آپؐ نے اس کی نذر کر دیا۔ یہ تمام رات خانۂ نبویؐ میں فاقہ سے گزری' حالانکہ اس سے پہلی شب میں بھی یہاں فاقہ ہی تھا۔ (مسند احمد)

کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آ جاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل وعیال فاقہ کرتے۔ (مسند احمد بن حنبل)

عدل وانصاف

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں فتح مکّہ کے موقع پر چوری کی' اس عورت کی قوم گھبرائی ہوئی حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچی اور ان سے سفارش کی درخواست کی۔ حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ سے اس عورت کے بارے میں حضرت اسامہؓ نے گفتگو کی تو آپؐ کے چہرۂ مبارک کا رنگ (مارے غصے کے) بدل گیا اور آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم مجھ سے اللہ کی قائم کردہ حدود میں سے ایک حد کے بارے میں (رعایت کی) گفتگو کرتے ہو؟'' حضرت اسامہؓ نے عرض کیا: میرے لئے یارسول اللہ مغفرت طلب کیجئے! جب شام کا وقت ہوا تو آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے اللہ کی ثنا کی جس کا اللہ پاک مستحق ہے' اس کے بعد فرمایا:

> ''امابعد! پہلے لوگ بے شک اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ ان کا حال یہ تھا کہ جب اُن میں سے کوئی بڑا چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے' اور جب ان میں سے کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کریں گی تو اُن کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا''۔

زہد وقناعت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ حضور ﷺ ایک چٹائی پر آرام فرما تھے جس کے نشانات آپؐ

کے پہلو پر نمایاں تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر آپؐ کوئی اور بستر لے لیتے جو اِس سے زیادہ نرم ہوتا تو اچھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ''مجھے دنیا سے کیا واسطہ! میری اور دنیا کی مثال اس سوار جیسی ہے جو سخت گرمی کے موسم میں چلا اور تھوڑی دیر کے لئے کسی درخت کے نیچے سایہ پکڑا' اس کے بعد پھر چل دیا اور اس درخت کو چھوڑ گیا''۔

حضرت ابوطلحہ ؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول پاک ﷺ کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

ایک دفعہ صحابہ ؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے تھے۔ آپؐ نے شکم کھولا تو ایک کے بجائے دو دو پتھر تھے۔ (صحیح مسلم)

حضور ﷺ فرمایا کرتے کہ گھر میں ایک بستر اپنے لئے' ایک بیوی کے لئے اور ایک مہمان کے لئے کافی ہے' چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔ (ابوداؤد)

ایک دفعہ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا: ''تم کو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے؟'' (نسائی)

مزاج اور خوش طبعی

ایک بڑھیا خدمت اقدس میں آئی کہ حضور ﷺ! میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھ کو بہشت نصیب ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ''بوڑھیاں بہشت میں نہ جائیں گی''۔ اس کو بہت صدمہ ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''بوڑھیاں جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہوکر جائیں گی''۔ (ترمذی)

حضرت اَنس ؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے دو کان والے!'' اس میں یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انسؓ نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔

ایک شخص نے خدمتِ اقدسؐ میں عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو۔ ارشاد

ہوا کہ ''میں تم کو اونٹنی کا بچہ دوں گا''۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہؐ! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا! آپؐ نے فرمایا: ''کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو؟''

صبر و شکر

حضرت اَنس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (آپؐ کے صاحبزادے) ابراہیمؓ کو دیکھا' یہ اپنا دم حضور ﷺ کے سامنے توڑ رہے تھے۔ حضور ﷺ کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں اور آپؐ نے فرمایا: ''آنکھ اشک ریز ہے' دل غمگین ہے' لیکن ہم وہی کہیں گے جو ہمارے ربّ کی مرضی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق میں بہت غمگین ہیں''۔

حضرت معاذ بن جبل ؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول خدا ﷺ کے پاس آیا۔ آپؐ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؐ اسی طرح کھڑے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی' اس کے بعد آپؐ نے ایسا طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ اس سجدہ میں شاید آپؐ کی وفات ہوگئی۔ حضرت معاذ کہتے ہیں (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کس لئے یہ طویل سجدہ کیا؟'' میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے اسی طرح مجھ سے تین چار مرتبہ پوچھا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''جو کچھ میرے ربّ نے میرے لئے مقدر کیا تھا' میں نے نماز پڑھی .... اور میرے ربّ نے مجھ سے نماز میں فرمایا کہ تیری اُمت کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا: اے ربّ! تو زیادہ جانتا ہے۔ اللہ پاک نے تین مرتبہ یا چار مرتبہ کہا کہ تیری اُمت کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا: اے ربّ! تو زیادہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں تجھے تیری اُمت کے بارے میں مبتلائے رنج نہ کروں گا'' اس وجہ سے میں نے اپنے ربّ کو سجدہ کیا اور میرا ربّ اسی لائق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے' وہ شکر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

عبادت

حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اتنی عبادت کیا

کرتے تھے کہ آپؐ کے پائے مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ اللہ پاک نے آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ آپ کے لئے معاف نہیں کر دیئے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تو کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

شجاعت

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب خوف یا جنگ سخت ہوتی تھی تو ہم حضور ﷺ کی اوٹ تلاش کیا کرتے تھے۔

پرہیز گاری

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے رات کے وقت اپنے پہلو کے نیچے ایک کھجور پائی اور اسے کھالیا تو آپؐ اس رات نہیں سوئے۔ آپؐ کی بعض ازواجِ مطہرات نے دریافت کیا: یارسول اللہ! آج تو ساری رات آپ بیدار رہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''میں نے پہلو کے نیچے ایک کھجور پائی اور اسے کھالیا' اور ہمارے پاس صدقہ کی کھجوروں میں سے کچھ کھجوریں تھیں' تو مجھے یہ ڈر ہوا ایسا نہ ہو کہ یہ انہی میں سے ہو''۔

توکّل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوۂ نجد کیا۔ جب آپؐ واپس ہوئے تو آپ کو قیلولہ کا وقت اسی وادی میں پیش آیا جس میں جھاڑ بہت زیادہ تھے۔ لوگوں نے مختلف جگہ درختوں کے نیچے قیام کیا۔ رسولِ اکرم ﷺ بھی ایک درخت کے سایہ میں تھے۔ آپؐ نے اپنی تلوار اُس درخت پر لٹکا دی۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم ابھی ذرا دیر سوئے تھے کہ حضور ﷺ نے ہمیں پکارا۔ ہم سب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آپؐ کے پاس ایک اعرابی بیٹھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس نے میری تلوار سونت لی تھی اور میں سو رہا تھا' میری آنکھ کھلی تو تلوار اس کے ہاتھ میں ستی ہوئی تھی۔ اس نے کہا: آپؐ کو مجھ سے کون

بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ۔ اس نے دوبارہ کہا: آپؐ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ' تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور یہ بیٹھ گیا''۔ اور حضور ﷺ نے اسے کوئی سزا نہیں دی حالانکہ اس نے ایسا کیا تھا۔

قریش کے اس اعلان کے بعد کہ جو محمد (ﷺ) کو زندہ یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ ملیں گے' سراقہ بن جعشم نے آپؐ کا تعاقب کیا اور اس قدر قریب پہنچ گیا کہ وہ آپؐ کو پا سکتا تھا۔ حضرت ابوبکر بار بار گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے' مگر آپ ﷺ نے ایک دفعہ بھی مڑ کر نہیں دیکھا کہ سراقہ کس ارادہ سے آ رہا ہے۔ یہاں دل پر وہی سکینتِ ربانی طاری تھی اور لب ہائے مبارک تلاوتِ قرآن پاک میں مصروف تھے۔ (صحیح بخاری)

خوفِ آخرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ پر تو بڑھاپا جلد ہی آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں (سورۃ الواقعہ' سورۃ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ اور سورۃ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ) نے بوڑھا کر دیا''۔ (اس لئے کہ ان سورتوں میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے۔)

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب دو ثلث شب گزر چکتی آپ ﷺ بآوازِ بلند یہ الفاظ ادا فرماتے: ''لوگو! خدا کو یاد کرو' زلزلہ آ رہا ہے' اس کے پیچھے آنے والا آ رہا ہے۔ موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی' موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی''۔ (ترمذی)

آپؐ فرمایا کرتے تھے: ''لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں' اگر تم جانتے ہوتے تو تم کو ہنسی کم اور رونا زیادہ آتا''۔ (صحیحین)

ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں فرمایا: ''اے معشر قریش! اپنی خبر لو' میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے بنی عبدالمناف! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے صفیہ' رسولِ خدا کی

پھوپھی! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا''۔ (صحیحین)

رسول اکرم ﷺ کا ہنسنا اور مسکرانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ پورے طریقہ پر ہنسے ہوں کہ آپؐ کے حلق کا کوا نظر آ جائے۔ آپؐ تو مسکرایا کرتے تھے۔

حضرت حصین بن یزید کلبیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ہنستا نہیں دیکھا' آپؐ تو مسکرایا کرتے تھے۔

کلام نبویؐ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ اس طرح بات کرتے تھے کہ اگر اسے گننے والا گننا چاہتا تو گن لیتا۔

حضرت ثمامہ بن انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب کلام کرتے تھے تو تین مرتبہ اعادہ کرتے' تا کہ آپؐ سے لوگ وہ بات سمجھ لیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

مسلمان کی زندگی کا مقصد اس دنیا میں یہ ہے کہ وہ خدا کا عبادت گزار بندہ بن کر رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذّٰریٰت:٥٦)

''میں نے جن وانس کو پیدا کیا ہے صرف اپنی بندگی کے لئے۔''

بندگی کا مطلب اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں مکمل سپردگی ہے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ جس کام کا حکم دیں انہیں وہ کرے اور جس سے منع کریں اس سے رک جائے' بھلائیوں اور نیکیوں کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے۔

قرآن کہتا ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ١١٠)

''(مؤمنو!) تم ان سب سے بہتر اُمت ہو جو لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو۔ تم نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو''۔

یہی نہیں' بلکہ قرآن ہماری نجات کے لئے اس کو لازمی قرار دیتا ہے کہ ہمارے ہاں ایک ایسا انسٹیٹیوشن قائم ہونا چاہئے جو نیکی کا حکم دے اور بدی کو مٹائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران: ١٠٤)

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے' یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ زندگی بھر اس کام کو انجام دیتے رہے اور باقاعدہ ایک ایسا نظام قائم کر گئے جو آپؐ کے بعد اجتماعی طور پر اس کام کو انجام دیتا رہا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے ربّ کی جانب سے ایک وسیع شاہراہ پر ہو' جب تک کہ تم میں دو فتنے ظاہر نہ ہوں' ایک فتنہ جہالت کا اور دوسرا خوش عیشی کی محبت کا۔ تم معروف کا حکم دیتے رہو گے اور بری بات سے روکتے رہو گے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے رہو گے' مگر جب تم پر حبِّ دنیا غالب آ جائے گی تو نہ تم امر بالمعروف کرو گے اور نہ نہی عن المنکر' اور نہ اللہ کے راستہ میں جہاد۔ ایسے دنوں میں کتاب اور سنت کے بیان کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے پہلے مہاجرین و انصار (رضی اللہ عنہم) کے مانند ہوں گے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں وہ قوم نہ بتادوں جو نہ تو نبی ہیں اور نہ شہداء' لیکن بروز قیامت انبیاء اور شہداء' ان کے مراتب پر غبطہ کریں گے' اس لئے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے نور کے منبروں پر ہوں گے اور

غبطہ: کسی کی دولت پر اس کے زوال کی خواہش کئے بغیر رشک کرنا' برابری کی خواہش کرنا۔ (فیروز اللغات)

پہچانے جا رہے ہوں گے۔'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ: ''جو اللہ کے بندوں کو اللہ کا دوست بنائیں گے اور اللہ کو اس کے بندوں کا دوست بنائیں گے اور زمین پر امر بالمعروف کرتے ہوئے چلیں گے''۔ (حضرت انسؓ فرماتے ہیں) میں نے کہا: یہ بات کہ اللہ پاک کو اللہ کے بندوں کا محبوب بنا دیں (یہ تو ٹھیک ہے) مگر یہ لوگ اللہ کے بندوں کو اللہ کا محبوب کیسے بنا دیتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کو اُن باتوں کا حکم دیتے ہیں جن کو اللہ پسند کرتا ہے اور ان باتوں سے منع کرتے ہیں جن کو اللہ ناپسند کرتا ہے' جب لوگ ان کا کہنا مان لیتے ہیں تو ان کو اللہ عزوجل دوست بنا لیتا ہے''۔

حکومت اور سیاست

اسلام میں دین اور سیاست جدا نہیں۔ ہمارا دین پوری طرح اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک معاشرے کا سیاسی کنٹرول صالح عناصر کے ہاتھ میں نہیں آتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ سیاست کو جب بھی دین سے علیحدہ کیا گیا' معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا۔ اقبال کے الفاظ میں: ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی!

اور یہ ہمارے سامنے کی بات ہے کہ آج مسلم ممالک میں جہاں جہاں بھی دین کو سیاست سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے وہاں چنگیزی ہی چنگیزی نظر آتی ہے۔

جو لوگ دانستہ یا نادانستہ یہ غلط فہمی پھیلاتے ہیں کہ دین کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں' مذہب ایک انفرادی معاملہ ہے جو خدا اور بندے کے تعلق تک محدود ہے' ایسے لوگوں کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ قرآن کریم اور احادیث نبویؐ کا مطالعہ کریں جن کا ایک ایک لفظ پکار پکار کر ایسے معاشرے کا تقاضا کر رہا ہے جہاں اسلامی اقدار پھلیں پھولیں اور برائیاں نیست و نابود ہوں۔ کیا بغیر حکومت کے اختیارات کے ایسا ہونا ممکن ہے؟ پھر ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جن تعزیری قوانین کا بیان ہے کیا اللہ تعالیٰ کی ان سے غرض صرف یہ ہے کہ ان کی تلاوت کی جائے؟ اگر ایسا نہیں' بلکہ یہ

تعزیری قوانین اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ ان کا نفاذ ہو تو کیا قوانین کا نفاذ بغیر قوتِ نافذہ کے ممکن ہے؟ اور یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ قوتِ نافذہ حکومت ہی کے پاس ہوتی ہے۔ اگر اس قوت کو اشخاص کے پاس چھوڑ دیا جائے تو پھر معاشرے میں انارکی اور انتشار کا دَور دَورہ ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر صرف تبلیغی کام ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مدینہ کی پہلی اسلامی اسٹیٹ قائم کی' جہاں الٰہی قوانین کے مطابق سیاسی' اقتصادی' تعلیمی' معاشرتی' اخلاقی نظام قائم کیا۔ جنگیں لڑیں' معاہدے کئے' سفارتی وفود روانہ کئے' غرض کہ سب سے پہلے خود آپؐ کے ہاتھوں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء نے حکومت کی سربراہی کا فرض انجام دیا۔

پیارے رسول ﷺ کے سیاست و حکومت کے سلسلہ میں جو ارشادات ہیں' مناسب ہوگا کہ ان پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ دین و سیاست کے تعلق کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں' دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے''۔ (کنز العمال)

اطاعت کے حدود اور شرائط کے سلسلہ میں حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے' خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند' تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ اس صورت میں اسے نہ کچھ سننا چاہئے' نہ ماننا چاہئے''۔ (بخاری و مسلم)

''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے''۔ (شرح السنۃ)

''سنو اور اطاعت کرو' چاہے تمہارے اوپر کوئی حبشی غلام ہی امیر بنا دیا جائے جس کا سر کشمش جیسا ہو''۔ (بخاری)

''تمہارے بدترین سردار وہ ہیں جو تمہارے لئے مبغوض ہوں اور تم ان کے لئے مبغوض ہو' تم اُن پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں''۔ صحابہ کرامؓ نے عرض

کیا: یارسول اللہ! جب یہ صورت ہو تو کیا ہم ان کے مقابلہ پر نہ اٹھیں؟ فرمایا: ''نہیں' جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں۔ نہیں' جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں''۔ (مسلم)

مسلمانوں کے اولی الامر کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''جب تمہارے امراء تمہارے بدترین لوگ ہوں' اور جب تمہارے دولت مند بخیل ہوں اور جب تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے''۔

''ہمارے نزدیک تم میں سب سے بڑا خائن وہ ہے جو خود اس (امارت) کا طالب ہے''۔ (ابوداؤد)

''بخدا! ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس کی درخواست کی ہو یا اس کا حریص ہو''۔ (متفق علیہ)

اسلامی قوانین کے مآخذ آپ ﷺ نے اس طرح بیان فرمائے:

''رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو اُن سے پوچھا: ''تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟'' انہوں نے عرض کیا: اس ہدایت کے مطابق جو اللہ کی کتاب میں ہے۔ فرمایا: ''اگر کتاب میں نہ ملے؟'' عرض کیا: پھر جو سنت رسول اللہؐ میں ہو۔ فرمایا: ''اگر سنت رسول اللہ میں بھی نہ ملے؟'' عرض کیا: میں اپنی رائے سے (حق وصواب تک پہنچنے کی) پوری کوشش کروں گا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ''شکر ہے اللہ کا جس نے رسول اللہ کے فرستادہ شخص کو وہ طریقہ اختیار کرنے کی توفیق دی جو رسول اللہ کو پسند ہے''۔ (ترمذی' ابوداؤد)

(نوٹ: محترم قاضی عبدالقادر صاحب کا یہ مضمون ۳۷ سال پرانا ہے' جو ۱۹۶۷ء میں رسالہ "عرفات" میں شائع ہوا تھا۔)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات واحادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اسلام کو
حکمائے عصرِ حاضر کے تین چیلنج
جن کا جواب
علمائے اسلام کے ذِمّہ ہے

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم

(شائع شدہ ماہنامہ "میثاق" اپریل ۱۹۷۴ء)

یہ ایک کھلا خط ہے جو مخدومی پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم نے عزیزم ڈاکٹر ابصار احمد سلمہ کے نام اُن کی انگلستان سے واپسی کے فوراً بعد ۱۶/۱ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو لکھا تھا۔ اسے محض بالکل ہی ذاتی نوعیت کے حصے حذف کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ جیسا کہ خود چشتی صاحب مرحوم نے لکھا ہے اس کے مخاطب صرف ڈاکٹر ابصار احمد نہیں بلکہ امت مسلمہ کے تمام ذہین اور باصلاحیت نوجوان ہیں ..... اسرار احمد

برخوردار، سعادت اطوار! اللہ تعالیٰ تمہیں سعادتِ دارین عطا فرمائے، اور فخر خاندان بنائے! چونکہ تمہیں میرے جذباتِ قلبی سے آگاہی نہیں ہے اس لئے تم میری مسرت کا اندازہ نہیں کر سکتے جو علم کے میدان میں تمہاری شاندار کامیابیوں سے مجھے حاصل ہوئی ہے۔ انہی جذبات کے اظہار کے لئے یہ طویل خط تمہیں لکھ رہا ہوں۔ اور

چونکہ ان جذبات سے دوسرے مسلمان بھی مستفید ہو سکتے ہیں اس لئے یہ خط ''میثاق'' کے ذریعے سے تمہیں بھیج رہا ہوں۔ شاید تمہارے علاوہ اللہ کا کوئی نیک بندہ بھی میرے جذبات کو عملی جامہ پہنا کر داخل حسنات ہو سکے۔

تم مجھ سے زیادہ اس حقیقت سے آگاہ ہو کہ موجودہ صدی انکارِ روح' انکارِ خدا اور انکارِ عرفان (Gnosis) و وجدان (Intuition) کی علم بردار ہے۔ اقبال کے مرشدِ معنوی اکبر الٰہ آبادی نے اس صدی کے آغاز یعنی ۱۹۰۳/۴ء میں یہ شعر کہا تھا

غزّالی و رُومی کی بھلا کون سنے گا
محفل میں چھڑا نغمہ اسپینسر و مِل ہے!

تم تو اِن دونوں سے واقف ہو' مگر اس خط کے بعض پڑھنے والے شاید واقف نہ ہوں اس لئے اتنی صراحت ضروری ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں ان دونوں فلسفیوں کی تصانیف الٰہ آباد یونیورسٹی میں داخلِ نصاب تھیں اور یہ دونوں لاادریت کے مبلغ تھے۔ اور تم جانتے ہو کہ لاادریت انکارِ خدا' انکارِ رُوح اور انکارِ عالمِ آخرت کی طرف پہلا قدم ہے' ان کے مقابلے میں امام غزالی اور عارف رومی دونوں وجدان اور عرفان کے حامی ہیں۔

اگر اکبر آج زندہ ہوتے تو وہ اپنی آنکھوں سے شجرِ لاادریت کے اثمارِ تلخ کی ہردلعزیزی کا مشاہدہ کر لیتے۔ ساری دنیا ان کو نوشدارو سمجھ کر کھا رہی ہے اور آبِ حیات کے دھوکے میں پی رہی ہے۔

مذہب اس صدی میں اپنے زوال کی آخری سرحدوں کو چھو رہا ہے اور اخلاقِ حسنہ پر عالم نزع طاری ہے۔ اور آج کافر نہیں' بلکہ مسلمان اخلاقی اعتبار سے دنیا میں پست ترین قوم ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کفار (ہنود و مجوس و یہود و بودھ و نصاریٰ وغیرہم) اپنی مذہبی کتابوں اور ان کی تعلیمات سے آگاہ ہیں' لیکن مسلمان من حیث القوم قرآن حکیم سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ وہ سب کچھ پڑھتے ہیں' صرف قرآن نہیں پڑھتے اور جو پڑھتے ہیں وہ اسے سمجھتے نہیں۔ اسی لئے مسلمانوں کے اندر تبلیغ کا جذبہ بالکل فنا ہو چکا ہے۔

یہ ذوقِ تبلیغ کے مردہ ہو جانے ہی کا نتیجہ ہے کہ بیسویں صدی میں یورپ نے مسلمانوں کو جو چیلنج دیئے' آج تک کسی مسلمان کو اُن کا جواب دینے کی توفیق نہ مل سکی۔ اللہ کا اٹل قانون ہے کہ توفیق اسی کو ملتی ہے جو حصولِ توفیق کے لئے مجاہدہ (کوشش) کرے۔ ﴿لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ اس پر شاہد ہے۔

میرے محدود مطالعے کی رو سے بیسویں صدی میں یورپ نے مسلمانانِ عالم کو تین واضح چیلنج دیئے ہیں:

(۱) پہلا چیلنج اس صدی کے آغاز غالباً ۱۹۱۰ء میں انگلستان کے شہرۂ آفاق فلسفی بریڈلے (F.H.Bradlay) نے دنیا کے تمام حامیانِ مذہب کو دیا تھا۔ تم تو بریڈلے سے ضرور واقف ہو گے' لیکن عام قارئین کی اطلاع کے لئے اس قدر صراحت ضروری ہے کہ میری رائے میں ہیگل کے بعد دنیا میں تصوریتِ مطلقہ (Absolute Idealism) کا اس سے بڑا علمبردار اور کوئی نہیں گزرا اور اس کا شاہکار ''مظاہر اور حقیقت'' (Appearance & Reality) کانٹ کے شاہکار ''تنقیدِ عقلِ خالص'' (Critique of Pure Reason) کے بعد فلسفے کی دنیا میں سب سے بڑی تصنیف ہے۔ اور یہ رائے صرف میری نہیں ہے' بلکہ انگلستان کے مشہور فلسفی Edward Caird اور مشہور عالمِ الٰہیات ریشڈل (Rashdall) کی رائے بھی یہی ہے۔ نیز ہندوستان کے مشہور فلسفی پی۔ ٹی۔ راجو (P.T.Raju) کی رائے میں تو بریڈلے کا شمار دنیا کے عظیم ترین حکماء میں سے ہے۔

بریڈلے نے تو اپنی تصنیف مذکورہ کے پہلے حصہ میں مسلک مادیت کی تردید میں ایسی براہین قاطع اور ادلّۂ ساطع جمع کر دی ہیں جن کا جواب آج تک کسی مادہ پرست سے ممکن نہیں ہو سکا' اور نہ آئندہ ہو سکے گا۔ قدماء میں سے یونان میں زینو اور ہندوستان میں ناگارجن (بودھ دھرم) کے فلسفیانہ مدرسۂ فکر المسمّیٰ بہ شونیلے واد کا عظیم ترین علمبردار منطقی موشگافیوں میں بریڈلے کے ہم پلہ ہیں۔ بریڈلے کی عظمت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ عصر حاضر کا نامور فلسفی برٹرینڈ رسل (۱۹۷۰ء۔۱۸۷۲ء) جو تصوریت مطلقہ (Absolute Idealism) کا سخت

مخالف ہے بریڈلے کی عظمت و رفعتِ فکر کا ساری عمر معترف رہا۔ دیکھئے
'Sceptical Essays'p.39۔

آمدم برسر مطلب بریڈلے نے اپنے مجموعہ مقالات موسومہ بہ 'Essays on Truth & Reality' کے ایک مقالے کے آخر میں (جس کا نام 'On God and the Absolute' ہے) یہ قابل غور پیراگراف لکھا ہے:

"There is,I should say, a need and there is even a certain demand for a NEW RELIGION. We want a creed to reorganise and justify in due proportion all human interests and at the same time to supply the INTELLECT with that to which it can hold with confidence. Whether we shall get this new religion, and if so, how, whether by modification of what exists or in some other way, I am unable to surmise, but it is not so far as I see in the power of philosophy to supply this general demand. And I must doubt the possibility for religious doctrine able in the end to meet our metaphysical requirement of ultimate consistency.

All that in my opinion we can reasonably desire is on one side a general faith and on the other side such a critical philosophy as would be able in some sense to justify end to support this faith. I think that any positive metaphysical doctrine must remain esoteric, is but a refuge amid general destitution. Therefore, a religious belief founded otherwise than a metaphysics and a metaphysics able in some sense to justify that creed seem to me what is required to fulfil our wishes. And though this fulfilment is a thing which I cannot myself expect to see, and though the obstacles in its way are certainly great, on the other hand I cannot regard it as impossible.

(F.H.BRADLAY: ESSAYS ON TRUTH AND REALITY p.p.446-47)

''میرے خیال میں دنیا کو اس وقت ایک نئے مذہب کی ضرورت ہے جس کے لئے کچھ تقاضے بھی ہونے لگے ہیں۔ ہمیں ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو تمام انسانی اغراض اور مطالبات کو ایک خاص تناسب کے ساتھ ملحوظ رکھے اور

ان کے جواز کا اعتراف کرے اور عقلِ انسانی کے لئے ایک ایسی بنیاد فراہم کرے جس پر پورے اعتماد سے بھروسہ کیا جا سکے۔ کیا ہم یہ نیا مذہب حاصل کر لیں گے؟ کیا یہ نیا مذہب موجودہ مذاہب میں ترمیم و تنسیخ کے ذریعے بنے گا یا کسی اور طریقے سے' مَیں اس کا فی الحال کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن جہاں تک میری بصیرت کام کرتی ہے' دنیا کے اس عام تقاضے کو پورا کرنا فلسفے کے بس کی بات نہیں ہے۔ مجھے اس امر میں بھی شک ہے کہ کسی مذہب کے اصول بالآخر ہماری "ultimate consistency" کی مابعد الطبیعیاتی ضرورت کو پورا کر سکیں گے۔ میری رائے میں جس چیز کی ہم معقول طور پر خواہش کر سکتے ہیں' وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو ایک عقیدہ ہو اور دوسری طرف ایک تحقیقی فلسفہ' جو اس عقیدے کے لئے جواز اور استدلال مہیا کرے۔ میرا خیال ہے کہ کسی مثبت مابعد الطبیعیاتی نظریئے کی بنیاد باطنی تجربے پر ہونی چاہئے' جبکہ مذہب کی بنیاد اگر باطنی تجربے پر ہو تو وہ زندگی سے فرار اور محرومی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لئے ایک مذہبی عقیدہ جس کی بنیاد مابعد الطبیعیات کے سوا کسی اور چیز پر ہو یا ایسا مابعد الطبیعیاتی فلسفہ جو کسی مذہبی عقیدے کی تائید کر سکے' ہماری خواہشات کو پورا کر سکتا ہے۔ ممکن ہے مَیں خود اس خواہش کو پورا ہوتے ہوئے نہ دیکھ سکوں۔ اور اگرچہ اس راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں لیکن پھر بھی مَیں اس کی تکمیل کو ناممکن نہیں سمجھتا''۔

تمہاری آگاہی اور معلومات میں اضافے کی خاطر یہ بات ذیل میں درج کرنا چاہتا ہوں کہ اس پیراگراف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ پروفیسر جیمس وارڈ نے اپنے آخری مقالے میں' جو انہوں نے اپنی وفات سے چند ماہ پہلے لکھا تھا' مرقومہ بالا پیراگراف کو من و عن نقل کیا ہے۔ ان کے مقالے کا عنوان ہے: ''ایمان اور حیاتِ ابدی''۔

خلط مبحث کے خوف سے مَیں اس مقالے کا تعارف پیش نہیں کروں گا' لیکن وارڈ سے متعلق چند تعارفی الفاظ ضرور لکھنا چاہتا ہوں۔

یہ مذہبی فلسفی جو دراصل ایک عالم الٰہیات تھا' بریڈلے کا ہم عصر تھا۔ اُس نے بریڈلے

سے ایک سال کے بعد ۱۹۲۵ء میں وفات پائی۔ اس کی دو کتابیں بہت مشہور ہوئیں:

1- Naturalism and Agnosticism. 1899

2- The Realm of Ends : Pluralism & Theism. 1911

بریڈلے تصوریتِ مطلقہ کا علمبردار تھا اور جیمس وارڈ تصوریت کا مخالف اور حامیٔ مذہبِ عیسوی عالم تھا۔ لیکن اس نے بریڈلے کے اس چیلنج کو اس قدر وقیع اور لائقِ توجہ سمجھا کہ اپنے مقالے میں اس کو لفظ بلفظ نقل کیا اور اس سے ایمان کی اہمیت پر استشہاد کرنے کے بعد یہ تمنا ظاہر کی کہ ''میں تو اب لبِ گور ہوں' کاش کیمبرج کا کوئی عالم الٰہیات' آکسفورڈ کے اس شہرۂ آفاق فلسفی کے چیلنج کا جواب باصواب لکھے''۔

وارڈ نے یہ مضمون ۱۹۲۵ء میں لکھا تھا' مگر ابھی تک کسی نصرانی عالم نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی تثلیث' تجسم اور کفارہ کا معتقد بریڈلے کے چیلنج کا جواب دے ہی نہیں سکتا۔

(۲)

۱۹۳۸ء میں لارڈ لوتھین نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جو خطبۂ تقسیم اسناد (Convocation Address) دیا' اس میں اس نے بایں الفاظ مسلمانوں کو چیلنج دیا:

''میرے عزیز مسلمان نوجوانو!

اس وقت یورپ روحانی اعتبار سے مُردہ[۱] ہے۔ اور اخلاقی لحاظ سے مریض[۲] ہے اور معاشی زاویہ نگاہ سے سخت مضطرب[۳] ہے۔ اور تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں[۴] مار رہا ہے۔

وہ اپنی اجتماعی زندگی کے کسی مسئلے کو تسلی بخش طریقے سے حل نہیں کر سکتا۔

وہ اس وقت ایسے نظامِ حیات کی تلاش میں ہے جو اُس کے روحانی' اخلاقی' سیاسی' معاشی اور عمرانی مسائل کا تسلی بخش حل پیش کر سکے۔

---

(۱) مردہ لادینیٔ افکار سے افرنگ میں عشق — عقل بے ربطیٔ افکار سے مشرق میں غلام (اقبال)

(۲) یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد! — زیر گردوں رسم لا دینی نہاد! (اقبال)

(۳) اک اضطراب ہے دنیا کو ناصبوری سے — سبب یہ ہے کہ وہ محروم ہے حضوری سے (اکبر)

(۴) قدح خرد فروزے کہ فرنگ داد مارا — ہمہ آفتاب لیکن اثر سحر ندارد (اقبال)

اے نوجوانو! تمہارا دعویٰ ہے کہ اسلام بنی آدم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس میں عقل، دل اور نگاہ تینوں کی تشفی بلکہ آبیاری کا سامان موجود ہے۔ لہٰذا مَیں تمہیں مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم تازہ گریجویٹوں میں سے جو لوگ اپنے دین کی صداقت پر پختہ یقین رکھتے ہیں، وہ اپنے دین کی تبلیغ کے لئے یورپ کے مختلف ملکوں میں مبلغ اسلام کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کریں اور اپنی زندگی اس مقدس کام کے لئے وقف کر دیں۔''

میرے بیٹے! مَیں نے یہ چیلنج ۱۹۳۸ء میں پڑھا تھا۔ وہ رسالہ تو ضائع ہو گیا مگر چیلنج کا مفہوم اُسی وقت میرے دل پر نقش ہو گیا تھا۔ لارڈ موصوف کا یہ خطبہ ہندوستان کے کئی اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوا تھا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔

(۳)

تیسرا چیلنج پروفیسر ولیم منٹگمری واٹ نے ۱۹۵۶ء میں دیا۔ یہ فاضل شخص ایڈنبرا یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر تھا۔ اور اس نے بڑی جانفشانی اور تحقیق کے بعد آنحضرت ﷺ کی سیرت، شخصیت، کارہائے نمایاں اور آپؐ کے پیدا کردہ انقلاب پر دو کتابیں لکھیں:

1- 'Mohammad at Mecca'
2- 'Mohammad at Madina'

یہ دونوں کتابیں ایک خاص نہج پر لکھی ہیں اور جہاں تک میری محدود معلومات کا تعلق ہے، انگریزی یا کسی اور زبان مثلاً اردو، فارسی اور عربی میں کسی شخص نے یہ اندازِ سیرت نگاری اختیار نہیں کیا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ دونوں کتابوں کے چھ سو صفحات پڑھ لینے کے بعد آنحضرت ﷺ کی پیغمبرانہ عظمت کا کوئی نقش قاری کے ذہن پر قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے مستشرقین کی تصانیف کا طغرائے امتیاز۔

بہرحال اپنی دوسری تصنیف (Mohammad at Madina) میں صفحہ ۳۳۳

پرواٹ نے حسبِ ذیل الفاظ میں ساری دنیائے اسلام کو چیلنج دیا ہے:

''اب مسلمان اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ محمدؐ تمام بنی نوع انسان کے لئے کردار اور اخلاق کا ایک مثالی نمونہ ہیں۔ یہ دعویٰ کر کے وہ دنیا کو اس امر کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ حضورؐ کے اخلاق کا جائزہ لیں..... کیا محمدؐ کی زندگی اور تعلیمات سے ایسے اصول سیکھے جا سکتے ہیں جو مستقبل کی دنیا کے لئے ایک واحد ضابطۂ اخلاق کی بنیاد بن سکیں؟

دنیا نے ابھی اس سوال کا حتمی جواب فراہم نہیں کیا۔ مسلمانوں نے محمدؐ کے متعلق اپنے دعوے کی تائید میں جو کچھ کہا ہے' وہ اس دعوے کے ابتدائی بیانات سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا' اگرچہ کچھ عیسائی اس سے متاثر بھی ہوئے ہیں۔ دنیا محمدؐ کے متعلق اس دعوے کا کیا جواب دیتی ہے' اس کا انحصار کسی حد تک اس بات پر بھی ہے کہ آج کل کے مسلمانوں کا اپنا عمل کیا ہے۔ یہ بات ابھی مسلمانوں کے ذمے ہے کہ وہ باقی دنیا کے سامنے اپنے دعوے کا بھرپور اور بہتر ثبوت پیش کریں۔ کیا مسلمان محمدؐ کی زندگی کی طرف پھر رجوع کر سکیں گے اور اس میں سے عالمگیر اصولوں کو ہنگامی خصوصیات سے الگ کر کے ایسے اخلاقی اصولوں کا انکشاف کر سکیں گے جو دنیا کی موجودہ حالت کو بہتر بنانے کے لئے ان کی جانب سے ایک تعمیری کوشش ثابت ہو؟ یا اگر یہ امر توقع سے کچھ زیادہ ہے تو کیا مسلمان' کم از کم' یہ ثابت کرنے کے قابل ہو سکیں گے کہ محمدؐ کی زندگی متحدہ عالم کے اخلاق کے لئے مثالی انسان کی ایک قابل عمل مثال ہے؟ اگر وہ ایسا کرنے کے قابل ہو سکیں تو کچھ عیسائی یقیناً ان کی بات سننے کو تیار ہو جائیں گے۔

مَیں اپنی ذاتی رائے کو چھپانا نہیں چاہتا۔ میرے خیال میں مسلمان دنیا کی رائے کو متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے' کم از کم اخلاق کے میدان میں۔ عیسائی یورپ کو اس امر کا قائل کرنے کے لئے کہ محمدؐ کی تقلید سے اخلاق کے مثالی نمونے پیدا ہو سکتے ہیں' مسلمانوں کو تا حال بہت کم' بلکہ کوئی کامیابی حاصل ہی نہیں ہوئی۔''

(Mohammad at Madina, pp. 333-334, 1962)

میرے بیٹے! یہ ہیں وہ تین زبردست چیلنج جو عیسائی دنیا نے مسلمانانِ عالم کو اِس صدی میں دیئے ہیں۔ ہماری قوم کے علمائے کرام اور صوفیانِ عظام چونکہ بالعموم انگریزی زبان سے ناآشنا ہیں اس لئے نہ وہ ان چیلنجوں کو پڑھتے ہیں اور نہ ان اعتراضات سے آگاہ ہو سکتے ہیں جو یورپ کا مذہبی طبقہ قرآن اور حاملِ قرآن پر دوسو سال سے کرتا چلا آرہا ہے۔ سچ کہا تھا کسی نے کہ ''لاعلمی بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔'' اسی لئے ہمارے علماء اور صوفیاء کی راتیں کسی قسم کی کشمکش میں نہیں گزرتیں اور اسی لئے تو وہ بڑے اطمینان سے تعیین تعدادِ رکعاتِ تراویح، قراءتِ فاتحہ خلف الامام، تقبیل الابہامین، رفع سبابہ، آمین بالجہر، رفع یدین اور الزاق الکعبین بلکہ امکانِ کذبِ باری اور امتناعِ نظیرِ پیغمبر جیسے ''مفید اور ایمان افروز'' مسائل میں منہمک رہتے ہیں۔ (۱)

رہے ہماری قوم کے انگریزی دان حضرات، تو وہ ان چیلنجوں سے تو آگاہی حاصل کر لیتے ہیں مگر چونکہ قرآن اور اس کی زبان دونوں سے نابلد ہیں (اِلا ماشاء اللہ) اس لئے کسی چیلنج کو قبول نہیں کر سکتے۔ صرف چند لمحات کے لئے متأسف ہو کر پھر ''کارِ دیگر'' میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ خلاصۂ کلام اینکہ عربی دان اور انگریزی دان دونوں میں سے کوئی طبقہ کسی چیلنج کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۱) اندریں حالات مَیں تمہیں ان تینوں چیلنجوں کو قبول کرنے کا مشورہ دیتا ہوں اور اسی غرض سے یہ خامہ فرسائی کی ہے۔ تم نے بفضل خدا انگلستان سے فلسفے میں ماسٹر آف فلاسفی کی ڈگری بھی حاصل کی ہے اور فلسفۂ جدیدہ میں ڈاکٹریٹ کا اعزاز بھی حاصل کیا۔

۲) تم ایک دین دار اور علم دوست خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔

۳) تم نے دینی ماحول میں پرورش پائی ہے۔

۴) تمہارے اندر دین کی تبلیغ کا جذبہ بھی موجود ہے۔ اور

۵) تم دینِ اسلام کو علیٰ وجہ البصیرت بنی آدم کے لئے بہترین ضابطۂ حیات یقین

(۱) واضح ہو کہ میں نے مثالاً یہ چند مسائل لاطائل درج کر دیئے ہیں۔ اگر استقصاء کیا جائے تو کئی صفحات سیاہ ہو سکتے ہیں۔

کرتے ہو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تمہارے بڑے بھائی اخویم اسرار احمد سلّمہٗ نے اپنی زندگی اشاعتِ قرآن کے لئے وقف کر کے تمہارے لئے ایک اعتبار سے اُسوۂ حسنہ بھی پیش کر دیا ہے۔

لہٰذا اب جس طرح تمہارے بڑے بھائی نے اپنی زندگی دعوت الی القرآن کے لئے وقف کر دی ہے تم اپنی زندگی مغرب کو اسلام کی خوبیوں سے روشناس کرانے کے لئے وقف کر دو تو تمہیں وہ کامیابی حاصل ہوگی جو تمہارے پیش رو حضرات کو حاصل نہ ہو سکی۔ مَیں ان سب لوگوں کو جانتا ہوں جنہوں نے بیسویں صدی میں اپنی زندگی تبلیغ کے لئے وقف کی مگر اُن میں سے کوئی شخص منطقی اور فلسفی نہیں تھا' اور اس لئے وہ اسلام کو دیہات میں تو پیش کر سکے' آکسفورڈ یا کیمبرج میں پیش نہ کر سکے۔

دیکھ لو! ٹیگور اور رادھا کرشنن نے آکسفورڈ اور کیمبرج میں ہندو دھرم کو پیش کر کے غیروں کی نگاہ میں کتنی شہرت اور اپنوں کی نظر میں کتنی عزت حاصل کی ہے! یہ میرے سامنے کی بات ہے۔ اگر مل سکے تو رادھا کرشنن کی 'An idealist View of Life' ضرور پڑھ لینا۔ یہ 'Hibbert Lectures' ہیں اور ان میں اس نے ہندوؤں کے فلسفیانہ مذہب یعنی 'Vedantic Idealism' کی برتری تمام مدارسِ فلسفہ پر ثابت کر کے اپنی علمیت اور ویدانت کی عظمت کا سکہ انگریزوں کے دل و دماغ پر جما دیا ہے۔ پروفیسر میکنزی' پروفیسر میور ہیڈ اور پروفیسر جوڈ کا اعتراف تو مَیں خود پڑھ چکا ہوں۔

من آنچہ شرطِ بلاغ است باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال!

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

لاہور
۱۶/اکتوبر ۱۹۷۳ء

خاک نشین بندۂ مسکین
یوسف سلیم چشتی الحسینی

مولانا سخاوت علی جون پوریؒ

۱۲۲۶ھ ـــــ ۱۲۷۴ھ

تحریر: عبدالرشید عراقی

جن علمائے کرام نے برصغیر (پاک و ہند) میں توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں نمایاں کردار ادا کیا' ان میں مولانا سخاوت علی جون پوریؒ کا نام سرفہرست ہے۔ آپ توحید و سنت کے سب سے بڑے داعی اور اپنے دَور میں اسلامی علوم و فنون کے سب سے بڑے مدرس تھے۔ آپ نے جون پور میں بیٹھ کر تنِ تنہا سینکڑوں علمائے دین پیدا کئے۔

مولانا سخاوت علی بن مولانا رعایت علی ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء میں جون پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد مولانا رعایت علی اور دادا مولانا درویش علی بھی جید عالم دین تھے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا سید عبدالحی بڈہانویؒ اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلویؒ جیسے اساطین علم شامل ہیں۔ آپ امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید بریلویؒ سے بیعت تھے۔ فراغت تعلیم کے بعد ساری زندگی درس و تدریس میں بسر کر دی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ میں سے چند ایک یہ ہیں: مولانا فیض اللہ مئوی' والد ماجد مولانا ابوالمکارم محمد علی مئوی' مولانا قاضی شیخ محمد مچھلی شہری۔

مولانا سخاوت علی جید عالم دین ہونے کے ساتھ بڑے عبادت گزار' متقی اور متبع سنت تھے۔ آپ کے پوتے مولانا ابوبکر محمد شیث جون پوری فرماتے ہیں کہ:

''مولانا سخاوت علی نہایت متقی' پرہیز گار' متبعِ سنت بزرگ تھے۔ اوّل وقت پر جماعت سے نماز کا خاص اہتمام تھا۔ عصر کی نماز تمام عمر ایک مثل پر اور فجر کی نماز

قراءتِ طویلہ کے ساتھ غلس میں پڑھتے تھے۔ اقوالِ فقہاء میں سے ہمیشہ اس قول پر فتویٰ دیتے تھے جس کی تائید قرآن یا حدیث سے ملتی تھی اور فتویٰ مدلل لکھتے تھے۔ وعظ و تلقین سے ہمیشہ ردّ بدعات و اتباعِ سنت کی اشاعت و ترویج میں کوشاں رہے۔ ان کی وعظ و تبلیغ سے جون پور میں تعزیہ داری کا سلسلہ ختم ہو گیا''۔ (تراجم علمائے حدیث ہند' ص ۳۷۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''مولانا سخاوت علی نے جون پور میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ بہار' جون پور و اعظم گڑھ اور بنارس سے بکثرت طلبہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور ان کے ذریعے سے قدیم جاہلانہ رسوم کے ابطال اور مذہبی شعائر کے اجراء میں بڑی مدد ملی''۔ (مقالات سلیمان ۲/۵۴)

مولانا سخاوت علی آخر عمر میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ یہاں آپ نے ۶ رشوال ۱۲۷۴ھ بمطابق ۲۰ رمئی ۱۸۵۸ء انتقال کیا اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔

تصانیف

مولانا سخاوت علی جون پوریؒ نے مختلف موضوعات پر جو کتابیں تصنیف کیں ان کی تفصیل یہ ہے:

۱) رسالہ ناسخ و منسوخ
۲) معرفۃ اوقات الصلوٰۃ من القرآن
۳) القویم فی احادیث النبی الکریم ☆
۴) عرفان الاوقات در اقامتِ نماز
۵) اسرار فقہ
۶) رسالہ فی السلوک
۷) عقائد نامہ
۸) راہِ نجات
۹) رسالہ کلماتِ کفر
۱۰) رسالہ تعداد لغات
۱۱) رسالہ فی البہیۃ
۱۲) رسالہ اسلم
۱۳) جوابات سوالات تسعہ
۱۴) نصائح
۱۵) تسعہ مسائل بحث ماء قلتین
۱۶) رسالہ تقویٰ
۱۷) رسالہ عرض نیک در مناظرہ شیعہ

☆ اس کتاب میں صحاحِ ستہ سے احادیث صحیحہ کا انتخاب کر کے ان کا ترجمہ کیا گیا ہے اور حاشیہ پر مختصر فوائد درج کئے گئے ہیں۔ صفحات ۵۲۶' طبع بنارس ۱۳۰۳ھ

چوہدری مظفّر حسین

(۱۹ ستمبر ۱۹۲۹ء ـــــ ۲۲ جولائی ۲۰۰۳ء)

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالقیوم، فیصل آباد

جان کر من جملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مُدّتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

☆

میں بعدِ مرگ بھی بزمِ وفا میں زندہ ہوں
تلاش کر مری محفل، مرا مزار نہ دیکھ!

ایک مسلمان اور قرآن پاک کے طالب علم کی حیثیت سے میرا اس بات پر کامل یقین ہے کہ ہر ذی روح کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ پھر ہر انسان کی اجل یعنی دمِ آخرت کا ایک وقت بھی مقرر ہے۔ موت کا یہ حادثہ اُس وقتِ مقررہ سے نہ ہی تو ایک ساعت پہلے وقوع پذیر ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس میں ایک لمحہ کی تاخیر ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۚ﴾ (الملک: ۱، ۲)

''نہایت ہی بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا، تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل والا ہے''۔

خالقِ کائنات نے تخلیقِ بنی آدم کا مقصد تو بیان کر دیا لیکن معاملہ ہر انسان پر چھوڑ دیا۔ اُسے افکار کی آزادی کی نعمت سے مالا مال کیا۔ اسے سوچنے اور عمل پیرا ہونے کا شعور بخشا کہ اب وہ جو چاہے کرے، جو راستہ وہ اپنے لئے اختیار کرنا چاہے اسے چن لے۔

دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ اللہ کے عطا کردہ علوم کی روشنی میں کچھ لوگ اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور کچھ اس دنیا کی چند روزہ زندگی میں جذب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ زیر تحریر شخصیت چوہدری مظفر حسین ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ نے عالمِ شباب میں ہی رشد و ہدایت کا راستہ دکھا دیا تھا اور پھر خالقِ کائنات نے انہیں استقامت بھی بخشی کہ وہ انبیاءؑ صدیقین، شہداء اور صالحین کی اتباع میں ہی زندگی گزار دیں۔ یہ اللہ کا مظفر صاحب پر بہت بڑا انعام تھا۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہی زندگی کا سفر طے کیا۔

راقم الحروف کی رائے میں شرافت، ذہانت، متانت اور دیانت جیسے سب اوصاف کو اکٹھا کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک آدم زاد کی روح میں جب پھونک دیا تو چوہدری مظفر حسین کا وجود ظہور میں آ گیا۔ چوہدری صاحب کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر شاید قلم کے احاطہ سے تو باہر ہو، لیکن مجھے یہ کہنے میں مبالغہ آرائی کا شائبہ تک نہیں گزرتا کہ چوہدری صاحب نے ساری زندگی اپنے حلقۂ احباب کے دلوں پر حکومت کی۔ وہ جگر مرادآبادی کے اس شعر کی عملی تفسیر تھے!

وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ!

انہیں انگریزی اور اردو دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ وہ اپنے خیالات کی ترجمانی اپنی تحریروں میں لانے کی پوری قدرت رکھتے تھے۔ ان کا حلقۂ احباب بھی بہت وسیع رہا، بلکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ انہیں روپے پیسے سے کبھی محبت نہ رہی، وہ ہر حال میں قانع تھے۔ ان کی زندگی نہایت سادہ اور موجودہ دَور کے تکلفات سے مبرّا رہی۔ نمود و نمائش کا نام تک بھی ان کی زندگی میں نہ تھا۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انہوں نے قرآن پاک کا دل کی گہرائیوں سے مطالعہ کیا۔ علماءِ کرام کی تفاسیر بھی دیکھیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دیگر مشاہیر اسلام کی کتب سے بھی استفادہ کیا۔ وہ حق کے متلاشی رہے۔

''ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں'' نے آخر انہیں مفکر پاکستان علامہ اقبال کے کلام سے متعارف کرا دیا۔ انہیں اردو کے علاوہ فارسی پر بھی عبور حاصل تھا۔ انہوں نے کلامِ اقبال کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا اور پھر اُسی کے ہو کر رہ گئے۔ ان کے خیالات اور فکر کے مطابق موجودہ دَور میں مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ افکارِ اقبال پر غور و فکر کریں اور انہیں اپنی عملی زندگی میں اپنالیں۔

مظفر صاحب اس بات کے سختی سے قائل تھے کہ علامہ اقبال نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ قرآنِ پاک کی ترجمانی ہے۔ ان کے خیال کے مطابق علامہ کے بیان کردہ عشق کے فلسفہ پر عمل پیرا ہو کر ہی مؤمن کا مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بقول اقبال!

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

اور

قلب و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصوّرات

مظفر صاحب نے اقبال شناسی پر اپنے خیالات کا جو اظہار کیا وہ دوسرے اقبال شناسوں سے کافی حد تک مختلف تھا۔ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ مظفر صاحب کے اس بیان کردہ اقبال شناسی کے فلسفہ کو کس حد تک قبول کیا گیا۔

انہیں اقبال سے عشق تھا۔ وہ اقبال کو بیسویں صدی کا عظیم ترین انسان اور مفکر اسلام سمجھتے تھے۔ انہوں نے اقبال پر تحقیقاتی مقالے بھی لکھے' اقبال کے افکار کو کتب کی شکل بھی دی۔ انہیں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے بھی عشق کی حد تک محبت رہی۔ بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ مولانا مودودی مظفر صاحب اور ان کے بھائیوں کی شادیوں میں شرکت فرماتے رہے۔ لیکن مظفر صاحب کے نزدیک فکر اقبال کا درجہ بہت بلند تھا۔ اور جب کبھی وہ علامہ اقبال اور سید مودودی کے تقابلی پہلو پر کچھ لکھتے تو اس میں انہیں فکرِ اقبال بہت زیادہ متاثر کرتی۔ اختر شیرانی کے الفاظ میں سید مودودی اور علامہ اقبال کے متعلق مظفر صاحب کی کیفیت کچھ یوں تھی:

عشق و آزادی بہارِ زیست کا سامان ہے
عشق میری جان آزادی مرا ایمان ہے
عشق پر کر دوں فدا میں اپنی ساری زندگی
لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے!

اور

''میری نگاہِ شوق بھی کچھ کم نہیں مگر
تیرا شباب پھر بھی تیرا شباب ہے''

وہ مولانا مودودی کے قدر دان لیکن اقبال پر دل و جان سے قربان تھے۔ وہ اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کی بقاء اور ترقی کو فکرِ اقبال کی روشنی میں دیکھنا اور عملی صورت میں لانا پسند کرتے تھے۔ ان کا تادمِ زیست اقبال کے ایک شعر کے مصرع ''زوال بندۂ مؤمن کا بے زری سے نہیں!'' پر یقینِ کامل رہا۔

چوہدری مظفر حسین اس سے بھی آگے سوچتے' بلکہ مجھ سے متعدد بار اس بات کا اظہار فرماتے کہ مسلم قوم ''من حیث الامۃ'' اور پاکستانی قوم بحیثیت ایک مسلم قوم کے جب تک علامہ اقبال کے بالِ جبرئیل میں مندرج مکالمہ ''پیر و مرید'' میں مرید ہندی کے ایک سوال پر پیر رومی کے جواب پر عمل پیرا نہیں ہوتی' پوری اُمت مسلمہ علامہ کے اس عشق سے محروم رہے گی جس عشق میں علامہ اس اُمت مسلمہ کی نجات سمجھتے تھے۔

علم و حکمت زائد از نانِ حلال
عشق و رقت آید از نانِ حلال!

چوہدری مظفر حسین ۱۹ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ضلع امرتسر (حال بھارت) کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ڈاکٹر نواب دین محکمہ امورِ حیوانات میں ملازم تھے' لیکن ساتھ ہی انہیں علمِ طب پر بھی عبور حاصل تھا۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے پر یہ خاندان لاہور آ گیا۔ مظفر صاحب کے تین بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ ان کے والد محترم نے ان سب کی اچھی تربیت کی۔ وہ ایک دین دار اور تہجد گزار انسان تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد طبیب کے طور پر رزقِ حلال کمانے لگے۔ مظفر صاحب نے انسانی اناٹومی اور

فزیالوجی کے مضامین کے ساتھ بی ایس سی کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۵۲ء میں محکمۂ زراعت کے انٹومالوجی سیکشن میں ملازمت اختیار کر لی۔ پھر دورانِ ملازمت بی ایس سی (زراعت) کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ جرنلزم میں ڈپلومہ حاصل کیا اور ایم اے اردو کا امتحان پاس کر لیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے ڈاکٹر عبداللہ مرحوم مظفر صاحب کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ انہوں نے بہت زور لگایا کہ مظفر صاحب اپنے مقالات کو جو انہوں نے اقبال پر لکھے تھے' کتابی شکل دے کر پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لیں' لیکن مظفر صاحب نے اسے کچھ زیادہ اہمیت نہ دی۔ بہر حال محکمۂ زراعت کے انٹومالوجی سیکشن میں انہوں نے چھ برس کام کیا اور پھر لاہور میں زرعی توسیع کے شعبہ سے منسلک ہو گئے۔ ان کا زیادہ تر تعلق شعبۂ نشر و اشاعت سے رہا۔ انہوں نے ملازمت کے دوران ایک سال تک بحیثیت ڈائریکٹر ریسرچ انفارمیشن زرعی تحقیقاتی کونسل وزارت خوراک و زراعت حکومت پاکستان فرائض سرانجام دیئے۔ دس برس بطور ڈائریکٹر ایگریکلچرل انفارمیشن حکومت پنجاب گزارے۔ وہ زراعت نامہ اور بعض دوسرے زرعی جریدوں کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ریٹائرمنٹ سے کچھ عرصہ قبل انہیں کسان کمیشن کا ممبر مقرر کر دیا گیا جہاں انہوں نے اڑھائی برس صرف کئے اور بڑی کارآمد رپورٹیں تیار کیں۔

ان کی ذہانت' اقبال شناسی' کام سے لگاؤ اور حُبّ الوطنی کے جذبہ کی وجہ سے بڑے بڑے اکابر اُن کی علمی قابلیت کا اعتراف کرتے رہے۔ ملک خدا بخش بُچہ' ڈاکٹر زیڈ اے ہاشمی' ڈاکٹر محمد رفیع الدین' آغا شورش کاشمیری' پروفیسر منور مرزا' جناب اشفاق احمد خان' مجید نظامی' مجیب الرحمٰن شامی' الطاف حسن قریشی' پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ' ڈاکٹر جاوید اقبال' جناب احمد بشیر' کالم نویس عطاء الرحمٰن' ڈاکٹر کے ایم اعظم' بریگیڈیئر منظور احمد' جناب محمد اکرم' سید منور علی شاہ اور ڈاکٹر اسرار احمد ان چند شخصیات میں سے ہیں جنہیں مظفر صاحب کی تحریروں نے بہت متاثر کیا۔

ڈاکٹر ہاشمی (مرحوم) مظفر صاحب سے جو تعلق رکھتے تھے وہ بہت کم لوگوں کو معلوم

ہے۔ واقعات تو کئی ہیں جن سے ہاشمی صاحب کی مظفر صاحب سے دلی محبت کا اظہار ہوتا ہے تاہم صرف ایک واقعہ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔

ہاشمی صاحب اپنی تمام سرکاری حیثیتوں سے ریٹائر ہو چکے تھے اور فارغ اوقات اسلام آباد میں اپنے گھر پر ہی گزارتے تھے۔ ایک دن مظفر صاحب کو صبح صبح ہاشمی صاحب کا فون آیا کہ وہ نو بجے بذریعہ جہاز لاہور پہنچ رہے ہیں اور وہ انہیں ایئرپورٹ پر سے لے لیں۔ مظفر صاحب سمجھے کہ ہاشمی صاحب کو لاہور میں کوئی کام ہوگا اور اس سلسلہ میں انہیں شاید کار کی سہولت درکار ہو۔ چنانچہ وہ ایئرپورٹ پہنچے اور ہاشمی صاحب ان کے ساتھ ان کے گھر آ گئے۔ سارا دن وہاں گزار دیا۔ شام کے پانچ بجے واپس ایئرپورٹ جانے کا کہا۔ مظفر صاحب نے انہیں الوداع کیا اور وہ واپس اسلام آباد پہنچ گئے۔ سارا دن افکارِ اقبال اور اسلام کے عملی نفاذ پر گفتگو رہی۔ کھانا بھی وہاں ہی کھایا اور کسی دوسرے شخص کو ٹیلی فون تک بھی نہ کیا۔ یہ ہاشمی صاحب کی زندگی کا ایک پہلو تھا جو مظفر صاحب سے ان کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ مظفر صاحب نے زراعت پر کئی کتب بھی تصنیف کیں۔ زرعی توسیع پر بہت سے مقالے لکھے۔ ایک زمانہ تھا کہ انہیں حکومت کے وزراء کی تقریریں لکھنے کے مواقع بھی ملے جہاں انہوں نے اسلام کے نفاذ کی عملی صورت کا جائزہ پیش کیا۔ مظفر صاحب ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی فراغت سے نہ بیٹھ سکے' بلکہ انہوں نے ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کے قائم کردہ ادارہ اسلامک ایجوکیشن کانگریس کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی اور آپ تادمِ زیست اس ادارہ کے اکیڈمک اینڈ ایڈمنسٹریٹو ڈائریکٹر رہے اور آپ کے شب و روز اسی ادارہ کی بہتری کے لئے صرف ہوتے رہے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سائنس کی دینیات' اقبال کے دو بنیادی تصورات' خودی اور آخرت' پاکستان تجربہ گاہِ اسلام' روحانی جمہوریت اور اساسِ فکرِ اقبال شامل ہیں۔

راقم الحروف کے ساتھ مظفر صاحب کی دوستی کی ابتداء ۱۹۵۲ء سے ہوئی اور یہ دوستی کا رشتہ گہرا ہی ہوتا چلا گیا۔

دو دل اس طرح مل گئے ناگاہ
جیسے برسوں کی ہو شناسائی

مظفر صاحب کا عالمِ شباب تھا۔ ان کی عمر ۲۳ برس تھی۔ میں ان سے عمر میں تقریباً تین چار سال بڑا تھا۔ لیکن نصف صدی کا عرصہ جس طرح گزرا' وہ بیان سے باہر ہے۔ ہمارے شب و روز اکٹھے گزرتے۔ وہ لاہور میں ہوتے تو میں کئی دنوں تک ان کے گھر قیام کرتا۔ ان کے سب بھائی ابھی تعلیم کی منازل طے کر رہے تھے۔ ان کے والد جو ایک فرشتہ سیرت انسان اور میاں شیر محمد شرقپوری کے مرید خاص تھے' مجھ سے بہت محبت کرتے' بلکہ مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھتے۔ انہوں نے مظفر صاحب کی ملازمت' ان کی شادی اور دیگر خانگی امور کے سلسلہ میں مجھے اپنا مشیر بنا رکھا تھا۔ میں اور مظفر صاحب جوانی میں ہی اسلامی ذہن رکھتے تھے۔ مولانا مودودی اور اقبال سے دونوں متاثر تھے۔ ہم پہروں اکٹھے بیٹھتے۔ اسلام کے ماضی' حال اور مستقبل پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے' حتیٰ کہ بعض اوقات ہمیں دوپہر کا کھانا بھی بھول جاتا۔ اسی طرح مظفر صاحب لائل پور (فیصل آباد) تشریف لاتے تو میرے ہاں ہی قیام پذیر ہوتے۔ ایک دفعہ تو میری بہت خوش نصیبی تھی کہ انہوں نے میرے ہاں مسلسل چار ماہ قیام کیا۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ میرے یارِ غار تھے۔ ان کی زندگی کا کوئی راز بھی ایسا نہ تھا جس سے وہ مجھے آگاہ نہ فرماتے اور کچھ ایسا ہی حال میرا بھی تھا۔

اقبال کے کلام کی روشنی میں اگر انہیں اقبال کا مردِ مؤمن' اقبال کا قلندر' اقبال کا شاہین کہہ دیا جائے تو اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ وہ حقیقت میں اقبال کے مندرجہ ذیل شعر پر پورا اترتے تھے۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

وہ کسی صاحب اقتدار سے کبھی بھی مرعوب نہ ہوئے۔ اکثر اوقات علامہ اقبال کا یہ شعر اُن کی زبان پر آتا:

سینۂ اَفلاک سے اٹھتی ہے آہِ سوز ناک
مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سلطان و امیر

انہوں نے خالق کائنات کے سوا کبھی کسی صاحبِ اقتدار کو اپنا ربّ تسلیم نہ کیا۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

وہ قیادت کا حق صرف اور صرف کسی ایسے شخص کو دینے کے حق میں تھے جو بقولِ اقبال۔

قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ!

ان کے خیال کے مطابق یہ دنیا مادیت کی چمک سے متاثر اور مرعوب ہوتی ہے۔ تاہم یہ چمک بالکل عارضی چیز ہے۔ شہرتِ عام اور بقائے دوام کے دربار میں جگہ پانے کے لئے عشق کا سرمایہ ہی کام دیتا ہے اور باقی سب دنیاوی نعمتوں کی وقعت عشق کے سامنے ہیچ نظر آتی ہے۔ بقول علامہ اقبالؔ۔

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے!

چوہدری مظفر صاحب عشق کی ان تمام منازل کو طے کرتے ہوئے ایک ایسے مقام پر پہنچ چکے تھے جس کی دعا علامہ نے خدا کے حضور اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں پیش کی ہے:

عطا اَسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر!

مظفر صاحب کو اسلام اور پاکستان سے جنون کی حد تک عشق تھا۔ ان کی بس ایک ہی آرزو، ایک ہی تمنا اور ایک ہی خواہش تھی کہ مملکت خدادادِ پاکستان میں وہی معاشرہ قائم ہو جائے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں تھا۔ ان کے خیال میں ایسے

معاشرہ کا قیام صرف انسانوں کے ذہن کی اصلاح سے ہی ممکن ہوسکتا تھا۔ حکومتِ وقت کا کوئی اور کسی قسم کا قانون ایسی اصلاح کرنے سے قاصر تھا اور بالآخر اُسی اصلاح کے نتیجہ میں ہی روحانی جمہوریت قائم ہوسکتی تھی۔

وہ انسانیت کی نجات کے لئے روحانی اصلاح کو ضروری قرار دیتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ اسلام کے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں اصلاحِ معاشرہ کے بغیر اسلام کا عملی نفاذ ناممکنات میں سے ہے۔ مظفر صاحب مجموعہ صفات تھے۔ ان کی عظمت کا ایک روشن پہلو اُن کا قرآن پاک کی ان آیات پر عمل تھا:

﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ۞ وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ۞﴾ (بنی اسراء یل:۲۳'۲۴)

''تیرے ربّ نے فیصلہ کر دیا کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اسی کی' والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑک کر جواب دو' بلکہ ان سے احترام سے بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت اور شفقت سے مجھے بچپن میں پالا تھا۔''

مظفر صاحب نے خدا کے احکام کی پیروی میں جس طرح اپنے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری میں اپنے شب و روز گزارے اسے دیکھ کر مجھے قرونِ اُولیٰ کے مسلمان یاد آجاتے تھے۔ اور یہ ان کی اطاعت ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کے والدین ان کے لئے اپنے قلب کی گہرائیوں سے دعائیں کرتے۔ مجھ سے ان کے والدِ مرحوم نے متعدد بار مظفر صاحب کی اس اطاعت کا ذکر کیا اور جس طرح ان کے والدِ محترم اس بات کا اظہار فرماتے اسے سن کر میری آنکھوں میں آنسو آجاتے۔

مظفر صاحب نے اطاعتِ والدین کے علاوہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے

عزیز و اقرباء اور دوست و احباب سے اپنے تعلقات کا سلسلہ تادمِ زیست جس طرح قائم رکھا' وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ خصوصاً ان کا جو رشتہ اور تعلق اپنے بھائیوں' بہنوں' بھتیجوں' بھانجوں سے تھا' اور ان سب پر جس طرح ان کا دست شفقت رہا' اس کا بیان الفاظ سے باہر ہے۔ اور پھر اسی حسنِ سلوک کی وجہ سے اُن کے تمام عزیز و اقرباء ان پر دل و جان سے فدا تھے۔ ان کے بھائیوں نے تو خصوصی طور پر انہیں عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے والد کا درجہ دے رکھا تھا۔ اس طویل علالت کے دوران ان کے تمام عزیز و اقرباء اور خصوصاً بھائیوں نے ان کا جس طرح خیال رکھا وہ اِس دَور میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

مظفر صاحب کی ایک اور بہت بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنی زندگی میں ہی اپنے گھر کے ساتھ اپنے پلاٹ پر ایک مسجد کی تعمیر کر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیک بندے کی اس خواہش کو بھی ان کی زندگی میں ہی پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ وہ مجھ سے جب اس کا ذکر کرتے تو انہیں ایک روحانی مسرت حاصل ہوتی۔

مظفر صاحب عمر بھر صحت کے لحاظ سے کوئی زیادہ خوش نصیب نہ رہے۔ عالمِ شباب میں ہی وہ دمہ کے مرض میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ کئی اور امراض کا بھی شکار ہوتے چلے گئے تاہم انہوں نے بہت بہادری سے ان سب بیماریوں کا مقابلہ کیا۔ پچھلے ایک برس سے ان کی بیماری طول پکڑ گئی۔ ڈاکٹروں نے اس بیماری کو لاعلاج قرار دے دیا۔ ان کا آپریشن بھی ہوا جس سے انہیں صرف عارضی افاقہ ہوا۔ وہ کمزور ہوتے چلے گئے لیکن انہوں نے عالمِ پیری میں بھی مردانہ وار اس بیماری کا مقابلہ کیا۔ ان کی قوتِ برداشت اور خودداری کی وجہ سے شاید ہی ان کی زبان پر کبھی کوئی ایسا کلمہ آیا ہو جس سے کوئی عزیز یا دوست یہ سمجھنے لگے کہ وہ اپنی تکلیف کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کی حالت کچھ ایسی تھی ؎

نہ ذکرِ غم زیرِ لب کریں گے نہ شکوۂ برملا کریں گے
جو ہم پہ گزرے گی دل ہی دل میں کہا کریں گے سنا کریں گے

انہوں نے اس بیماری کی تکالیف کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا۔ وہ کسی کا مالی تعاون قبول کرنے پر بھی تیار نہ تھے۔ ان حالات میں بھی ان کے سامنے اقبال کا یہ شعر ہی رہا۔

تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو رُوسیاہی!

مظفر صاحب کی بیماری کے دوران مَیں کئی مرتبہ ان کی بیمار پرسی کے لئے جاتا رہا۔ مجھ سے ان کی حالت نہ دیکھی جاتی تھی۔ میں کئی گھنٹے ان کے ساتھ گزارتا جہاں صرف وہ اور مَیں ہی ہوتے۔ وہ نحیف اور کمزور ہو چکے تھے' تاہم بہت ہی ہلکی آواز میں میرے ساتھ اپنے دل کی باتیں کرتے۔ میں واپس فیصل آباد آ جاتا' پھر ٹیلی فون پر رابطہ رکھتا۔

مظفر صاحب کی وفات سے تقریباً آٹھ نو دن پہلے مَیں ان کے ہاں ان کی بیمار پُرسی کے لئے حاضر ہوا تو کافی کمزور ہو چکے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ تاہم مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ میں ان کے پاس تقریباً تین چار گھنٹے بیٹھا رہا۔ وہ ذہنی' شعوری اور قلبی طور پر مکمل بیدار تھے۔ میں نے باتوں باتوں میں ڈاکٹر جاوید اقبال کی خود نوشت سوانح حیات ''اپنا گریباں چاک'' کا ذکر کر دیا۔ فرمانے لگے: جاوید کی زیست کے ان تمام پہلوؤں سے' جن سے انہوں نے اپنی کتاب میں پردہ اٹھایا ہے' صرفِ نظر کرتے ہوئے مجھے ان کی کتاب کا باب ۱۳ بعنوان ''دوسرا خط'' اچھا لگتا ہے۔ فرمانے لگے: اس کتاب کے مطالعہ سے دانشوروں کی اکثریت اگرچہ کسی حد تک حیران ہوتی ہو گی' تاہم ان کا ''دوسرا خط'' قابل غور ہے۔ میری صحت اجازت نہیں دیتی ورنہ میں اپنی سمجھ کے مطابق اس خط کا جواب دیتا۔ تاہم میری تمنا ہے کہ کوئی دانشور' کوئی عالمِ دین' کوئی مفکرِ اسلام ان نکات کا جواب لکھے جو ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے اس خط میں اٹھائے تھے۔ ذرا سوچئے کہ مظفر صاحب کا ذہن اپنی زیست کے اختتام سے صرف دس دن پہلے کس نہج پر سوچ رہا تھا! ۲۱ جولائی کو صبح سات بجے مَیں نے انہیں ٹیلی فون کیا۔ ۱۰ کے خادم نے اٹھایا' پھر اُن کے سپرد کر دیا۔ مجھے ان کی آواز تو آ رہی تھی لیکن میں

کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ پھر اُن کی بیٹی نے ٹیلی فون لے لیا اور مجھے بتایا کہ ابو کمزور ہو چکے ہیں۔ مَیں نے دوسرے دن آنے کا پیغام دیا۔ ۲۲ جولائی کو ساڑھے سات بجے صبح مجھے ان کے بھائی کی جانب سے ٹیلی فون پر اُن کی وفات کی خبر دی گئی۔ میں لاہور پہنچا' اپنے دوست' بھائی اور یارِ غار کے جنازہ میں شامل ہوا۔ دعائے جنازہ ان کے پرانے دوست ڈاکٹر اسرار احمد کی امامت میں ادا کی گئی۔ میرے پاس ایک دیدۂ پُرنم کے سوا رکھا ہی کیا تھا! پھر قبرستان میں انہیں سپردِ خاک کیا۔ اجتماعی دعا کرائی اور واپس فیصل آباد آ گیا۔ ۲۴ جولائی کو قرآن خوانی تھی' شریک ہوا۔ ان کے دوست و احباب بھی موجود تھے۔ دعا مانگی اور فیصل آباد واپس آ گیا۔

مظفر صاحب نے نہ صرف پاکستان میں بلکہ بیرونِ ملک بھی نام پیدا کیا' لیکن جو عزت و وقار انہیں حاصل ہوا وہ بھی بقولِ اقبالؔ ؎

اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے' تونگری سے نہیں!

اب جو وہ اپنے اللہ کے حضور حاضر ہیں تو ان کی زندگی کا نقشہ اقبالؔ کے اشعار کی روشنی میں بڑے اختصار کے ساتھ کچھ ایسے نظر آتا ہے ؎

خاکی و نوری نہاد' بندۂ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی' اس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل اس کی ادا دلفریب' اس کی نگہِ دل نواز!

مظفر صاحب اگرچہ رخصت ہو گئے' لیکن آج بھی ان کی قبر سے یہ صدا آ رہی ہے ؎

جان کر من جملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مُدّتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے!

مظفر صاحب کی دو بیٹیاں ہیں اور دونوں شادی شدہ۔ وہ اولادِ نرینہ کی نعمت سے محروم رہے' لیکن ہر حال میں صابر و شاکر۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے!

☆☆☆☆

تعارف وتبصرۂ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : تاریخ وتذکرہ (خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ)

مصنف : محمد نذیر رانجھا

ضخامت:560 صفحات ..... قیمت:250 روپے

ملنے کے پتے: ☆ مرکز سراجیہ' اکرم پارک' غالب مارکیٹ' گلبرگ III' لاہور

☆ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں' ضلع میانوالی

ضلع میانوالی میں کندیاں کے مقام پر خانقاہ سراجیہ کے نام سے روحانی تربیت کا ایک مرکز ہے' جس کے حسن انتظام کی دُور دُور تک شہرت ہے۔ یہاں سلسلۂ نقشبندیہ کے طریق پر تزکیۂ نفس کی منازل طے کرائی جاتی ہیں۔ متعلقین کے مطابق یہاں تربیت کے مراحل میں شرع محمدیؐ کی تعلیمات کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ سلسلۂ نقشبندیہ کی اس روحانی درس گاہ کی مکمل تاریخ' کوائف اور یہاں سے فیض حاصل کرنے والے علماء ومشائخ کا ذکر نہایت خوبصورت انداز میں اس کتاب کے اندر جمع کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے مصنف اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذوق ادب سے مالا مال ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف اور بزرگانِ دین کے عقیدت مند ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بڑی کاوش سے معلومات اکٹھی کی ہیں اور بڑے سلیقے سے قارئین کے لئے یکجا کر دی ہیں۔

کتاب کے آغاز میں تین وصل ہیں' پھر چار ابواب۔ پہلے باب میں گیارہ' دوسرے باب میں آٹھ' تیسرے باب میں چھ اور چوتھے باب میں چار فصول ہیں۔

اس خانقاہ کی بنیاد ۱۹۲۰ء۔۱۹۲۲ء میں حضرت مولانا ابوالسعد احمد خانؒ نے رکھی۔ اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد سراج الدینؒ کے نام پر اس کا نام خانقاہ سراجیہ رکھا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک اس خانقاہ کا انتظام وانصرام بڑے جلیل القدر علماء ومشائخ کے ہاتھوں میں رہا

ہے۔ اس کتاب کے چند صفحات فضیلتِ تصوف وصوفیاء پر مشتمل ہیں اور چند صفحات میں طریقۂ نقشبندیہ کے فضائل ذکر کئے گئے ہیں۔ پھر ان جلیل القدر علماء ومشائخ کے نام بتائے گئے ہیں جو اِس خانقاہ پر تشریف لائے اور یہاں کے کام کی تعریف وتحسین کی۔

پہلے باب میں بانیٔ خانقاہ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کے حالاتِ زندگی بڑی تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ دوسرا باب حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی کے سوانح حیات پر مشتمل ہے جس میں ان کے شب وروز کے مشاغل اور فضائل کا ذکر ہے۔ تیسرے باب میں خانقاہ سراجیہ کے موجودہ شیخ حضرت مولانا خان محمد بسط اللہ ظلہ کے حالات اور مشاغل کا تذکرہ ہے۔ شیخ موصوف نے دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث وتفسیر مکمل کیا اور وقت کے اجل علماء سے کسب فیض کیا۔ کتاب کے مصنف مولانا محمد نذیر رانجھا ان کے خاص مریدین میں سے ہیں۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں بڑے بڑے نامور اور جلیل القدر تقویٰ شعار بزرگ گزرے ہیں' لہٰذا عقیدت کا تقاضا تو یہی ہے کہ سرِ تسلیم خم کر دیا جائے' مگر یہاں بعض اوقات اپنے شیخ کے ساتھ تعلق شخصیت پرستی کی حدود کو چھو جاتا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۹۶ پر یہ شعر درج ہے۔

گڈی چلی اے ملتان کولوں منگاں دعائیں ہمیشہ حاجی احمد خان کولوں

حالانکہ اسلام کا پہلا سبق ہی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں' اور دعا تو عبادت کا بھی مغز ہے۔ اسی طرح صفحہ ۱۰۰ پر ایک شعر درج ہے جس میں اپنے پیر ومرشد کی قبر کی زیارت کو جنت کی منزل قرار دیا گیا ہے۔ جب تصوف کا ذکر آئے گا تو کمالِ احتیاط کے باوجود ایسی چیزوں کے در آنے کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے۔ کتاب کا ٹائٹل خوبصورت اور کمپوزنگ اعلیٰ درجہ کی ہے۔

(۲)

نام کتاب : ماہنامہ تعمیر افکار کراچی کا خصوصی شمارہ (بیاد پروفیسر سید محمد سلیم)

مدیر اعلیٰ : ملک نواز احمد اعوان

ضخامت: 496 صفحات ..... قیمت اشاعت خاص: 180 روپے

ملنے کا پتہ: ☆ کتاب سرائے' الحمد مارکیٹ' اردو بازار لاہور ☆ فضلی بک' سپر مارکیٹ' اردو بازار' کراچی

ماہنامہ تعمیر افکار ایک معیاری علمی جریدہ ہے۔ زیر نظر شمارہ اس کا خصوصی نمبر ہے جو

کتابی سائز کے ۴۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ شمارہ ایک عظیم ماہر تعلیم' فعال کارکن' دردِ دل رکھنے والے مسلمان اور محنت کی عظمت پر یقین رکھنے والے انسان پروفیسر سید محمد سلیم کے شب وروز کی سرگزشت ہے جس نے جماعت اسلامی کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کیا' اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنی زندگی وقف کئے رکھی اور بالآخر اسی جدوجہد میں ۷۷ سال کی عمر پا کر اکتوبر ۲۰۰۲ء کو راہیٔ ملکِ عدم ہوئے۔

اس شمارے میں جہاں ان کی حیاتِ مستعار کے سوانح لکھے گئے ہیں وہیں مختلف عنوانات کے تحت ان کی تعلیمی' تنظیمی' تبلیغی' تصنیفی اور ادبی خدمات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

پروفیسر سید محمد سلیم کی تدریسی خدمات ۳۵ سال پر محیط ہیں۔ اس طرح بہت سی نمایاں علمی شخصیات کو اُن کی شاگردی کا شرف حاصل ہے' جن میں ڈاکٹر احسان الحق' ڈاکٹر اسحاق منصوری' ڈاکٹر حسام الدین منصوری' ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی اور جامعہ کراچی کے ممتاز ماہرین تعلیم شامل ہیں۔

سید صاحب انتہائی بااصول اور وضع دار انسان تھے۔ انہوں نے مصروف اور بھرپور زندگی گزاری۔ حصولِ علم' کتابوں سے غیر معمولی شغف' تعلیم وتدریس کے ساتھ گہری وابستگی آپ کی زندگی میں نمایاں نظر آتی ہے۔ تعلیمی اصول ومسائل پر خصوصی تحقیق کے نتائج کو قلمبند کر کے دوسروں کے استفادہ کے لئے پیش کرنا ان کا پسندیدہ مشن تھا جس کی تکمیل میں وہ زندگی بھر لگے رہے۔ آپ کی ایک اہم خدمت ماہنامہ ''افکارِ معلم'' کا اجراء ہے جس میں شعبۂ تدریس سے منسلک نمایاں شخصیات کی تحقیقی کاوشیں شائع ہوتی ہیں جو اساتذہ کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہیں۔ ان کے پسندیدہ مصنف مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تھے جن کے ساتھ ان کے ذاتی مراسم بھی رہے اور خط وکتابت بھی۔

اللہ تعالیٰ نے پروفیسر سید محمد سلیم کو عمدہ ادبی ذوق عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے عربی' فارسی اور اردو شاعری کا وسیع مطالعہ بھی کیا تھا اور خود بھی شاعری کرتے تھے۔ ان کا کچھ منظوم کلام اس شمارے میں شامل ہے۔

داناؤں کا قول ہے کہ بڑے لوگوں کے سوانح حیات پڑھنے چاہئیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ وہاں سے عظمت کی طرف جانے والی راہوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ تعمیرِ افکار کا یہ خصوصی نمبر قاری کے کردار میں پختگی پیدا کرنے کے سلسلہ میں انتہائی مؤثر ثابت ہوگا' کیونکہ اس میں اس عظیم شخصیت کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مختلف افراد نے اس

سلیم الطبع انسان کے متعلق اپنے چشم دید مشاہدات کا ذکر کیا ہے۔

الغرض یہ کتاب قاری کے دل میں محنت کی عظمت کا احساس بیدار کر کے بامقصد اور بھرپور زندگی جس میں فقر کا غلبہ اور آسائشوں سے بے نیازی ہو' اختیار کرنے کی طرف ابھارے گی۔ ماہنامہ ''تعمیر افکار'' کراچی کی مجلس ادارت بجا طور پر ایسا نمبر نکالنے پر تحسین و آفرین کی مستحق ہے۔

(۳)

نام کتاب : ایک صحت مند دل کے ساتھ خوشگوار زندگی

مصنف : اشفاق الرحمٰن خان شیروانی

ضخامت: 38 صفحات..... قیمت: 35 روپے

ملنے کا پتہ: 2-51 ڈی بلاک' ماڈل ٹاؤن لاہور

اشفاق الرحمٰن خان شیروانی کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے پہلو میں دردمند دل دھڑکتا ہے۔ پیرانہ سالی کے باوجود اپنے نحیف و نزار جسم سے جوانوں کی طرح کام لیتے ہیں۔ عام لوگوں کی زندگی کے جس پہلو میں کمزوری اور غفلت دیکھتے ہیں اخلاص اور محبت کے ساتھ اُس کو دُور کرنے کے لئے اپنا قلم استعمال کرتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں یہی جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔

زیر تبصرہ کتابچہ دل کے مریضوں کی راہنمائی کے لئے لکھا گیا ہے جس میں عام لوگوں کو امراضِ قلب سے محفوظ رہنے کی تراکیب بتائی گئی ہیں' جن میں کچھ طبی' کچھ غذائی' کچھ احتیاطی اور کچھ روحانی علاج پر مشتمل ہیں۔

کتابچے کے چار حصے ہیں۔ پہلے حصے میں دل کے امراض پیدا ہونے کے اسباب' احتیاطی تدابیر' علاج اور مفید و متوازن غذائیں بتائی گئی ہیں۔ دوسرے حصے میں طب نبوی کی روشنی میں دل کی بیماری کے علاج کے سلسلہ میں چند غذاؤں کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ تیسرے حصے کا عنوان ہے روحانی علاج۔ اس میں تلاوت قرآن' نماز' ذکر اور مراقبے کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ چوتھے حصے میں امراضِ قلب کے لئے ہومیو پیتھک کی چند ادویات تحریر کی گئی ہیں جنہیں ڈاکٹر کے مشورہ سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

کتابچہ بہت مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ اس میں درج غذائی احتیاطیں اور پرہیز اختیار کرنے والا شخص کئی قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ oo

روزہ اور قرآن کی شفاعت

حدیث نبویؐ کے آئینے میں

((اَلصِّیَامُ وَالْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ ' یَقُوْلُ الصِّیَامُ : اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ ' وَیَقُوْلُ الْقُرْآنُ : مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ ' فَیُشَفَّعَانِ))

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

''روزہ اور قرآن (قیامت کے روز) بندے کے حق میں شفاعت کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا: اے ربّ! میں نے اس شخص کو دن میں کھانے پینے اور خواہشاتِ نفس سے روکے رکھا' تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما! اور قرآن یہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکے رکھا' لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما! چنانچہ دونوں کی شفاعت بندے کے حق میں قبول کی جائے گی۔''